تعمیرِ انسانیت اور قرآن

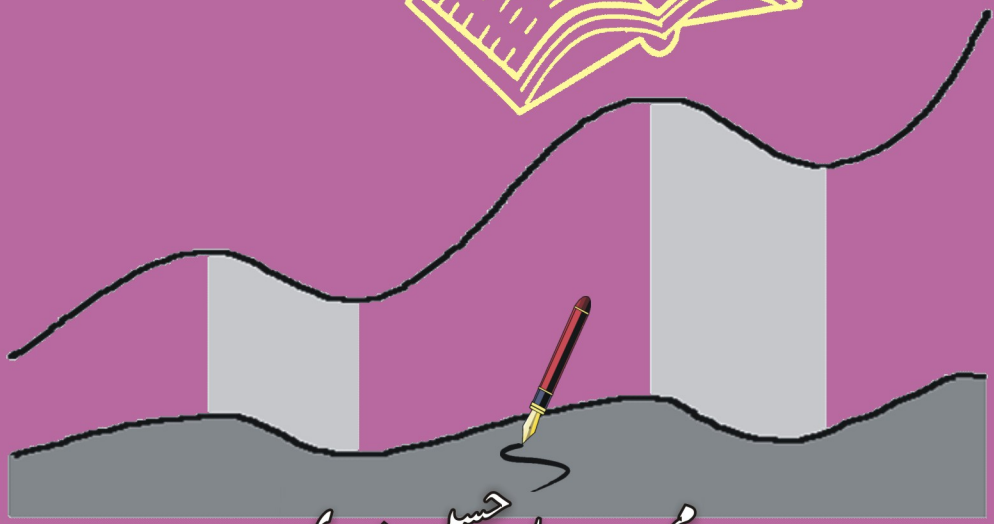

محمد صابر حسین ندوی

ناشر

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

تعمیرِ انسانیت
اور
قرآن

قرآن کریم کسی خاص طبقہ یا گروہ کے لئے نہیں؛ بلکہ یہ پوری انسانیت کے لئے ابدی آب حیات ہے؛ چنانچہ اس کے اندر قرآن کریم اور قدیم وجدید تفاسیر وتشریحات کی روشنی میں انسانی تعمیر وترقی اور حقیقی فوز وفلاح پر گفتگو کی گئی ہے، نیز ہر ممکن وسعت نظری ووسعت قلبی اور متوازن ومعتدل فکر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محمد صابر حسین ندوی

استاذ حدیث وفقہ: جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور

ناشر

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب : تعمیرِ انسانیت اور قرآن

نام مؤلف : محمد صابر حسین ندوی

(E-mail:mshusainnadwi@gmail.com/Mob:8120412392/7987972043)

سن طباعت : ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۸ء

تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

قیمت : ۷۰/روپے

ملنے کے پتے

☆مکتبۃ النظیر یوکے

☆ملت بک سینٹر، کرمینجیشور، تعلقہ کنداپورا، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کنداپورا تعلق، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ دارالعلم، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

فہرست مضامین

عناوین		صفحہ نمبر
کلمات تبریک	از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم	۵
تقریظ	از: مفتی محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۶
عرض مرتب	از: مؤلف	۸
فترۃ الانبیاء؛ ناقدری کا صلہ		۲۵
عہد جاہلیت اور اقوام وملل		۲۷
صحف سماویہ؛ اور ان کے ساتھ سلوک		۳۰
بعثت محمدی اور قرآن؛ تعمیر انسانیت کا نمونہ		۳۳
وحی (قرآن) کا نزول اور طریقۂ کار		۳۷
قرآن کریم؛ ایک تعارف		۴۰
قرآن کی حفاظت کا ابدی نظام		۴۳
اسماء قرآنی؛ ایک معجزہ		۴۷
خصوصیات قرآن اور تعمیر بنی نوع		۵۱
نظریۂ توحید؛ انسانیت کا لازمہ		۶۱
ارکان اربعہ؛ عشق الٰہی کا معیار		۶۳
نماز؛ انسانی معراج		۶۶
روزہ؛ ملکوتیت کی صفت		۶۷

زکوۃ؛ مالی حرص کا علاج ۶۸
حج؛ عشق الٰہی کی مراد ۷۰
تعمیر انسانیت کا معمار؛ اخلاق حسنہ اور قرآن ۷۱
تعمیر فرد؛ صالح معاشرہ وملک کی اصل ۸۰
قصص قرآنی؛ تعمیر بنی نوع کا داعی ۸۴
بناء انسانی میں جہاد؛ ایک ناگزیر امر ۸۶
صلاح قلب؛ تعمیر انسانیت کا ضامن ۹۰
دعاء قرآنی؛ انسانیت کا مداوا ۹۳
مصادر ومراجع ۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلماتِ تبریک

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی ـــــ امابعد!

قرآن کریم پر غور کیا جائے تو یہ بات صاف طور پر محسوس کی جائے گی کہ اس نے انسان کو موضوع بنایا ہے اور انسان کے لئے جا بجا وہ نمونے پیش کئے ہیں، جن کو سامنے رکھ کر انسان اعلی کردار کا حامل انسان بن سکتا ہے اور اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کو اسوۂ حسنہ قرار دیا، اور آپ ﷺ کی سیرت پاک کے ذریعہ قرآنی آیات پر عمل کرنے کا آسان اور زیادہ مؤثر طریقہ بتادیا ہے، اس طرح قرآن مجید اور سیرت پاک کے ذریعہ ایک انسان زیادہ اچھا اور بہتر بن سکتا ہے، اس موضوع پر ہمارے اہل قلم لکھتے رہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے جتنا لکھا جائے وہ کم ہے، اسی سلسلہ کی ایک کوشش مولوی محمد صابر حسین ندوی استاذ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور نے بھی کی ہے۔

اللہ تعالی قبول فرمائے اور ان کے اس عمل کو مبارک فرمائے اور اس سلسلہ کی کوششوں کی مزید توفیق عطا فرمائے، آمین!

۳؍فروری ۲۰۱۸ء

(مرشدی و مربی حضرت مولانا سید) **محمد رابع حسنی ندوی**

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

الحمدلله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيدالمرسلين، وعلىٰ آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أمابعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے، جو قیامِ قیامت تک کے لئے ہے، اس کے اندر نہ نسخ ہوسکتا ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی تبدیلی؛ کیوں کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس ذات نے لے رکھی ہے، جس نے اسے نازل کیا، ارشاد باری ہے: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُون.**

اس کتاب کے اندر صرف احکامات ہی نہیں ہیں؛ بل کہ اس کے اندر انسانیت کی تعمیر وترقی کے لئے ایسے بیش قیمت رہنمایانہ خطوط بھی ہیں، جن پر چل کر ہر انسان ثریا کے اوج کمال تک پہنچ سکتا ہے اور نہ چلنے والا قعرِ عمیق میں اوندھے منھ گر سکتا ہے، تاریخ کے خزاں دیدہ اوراق میں اس سلسلہ کی واضح مثالیں موجود ہیں؛ بل کہ موجودہ دور پر اک اچٹتی نگاہ ڈالنے سے بھی یہ بات عیاں ہوجائے گی، علامہ اقبالؒ نے اسی کا دکھڑا سنایا ہے:

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قراں ہوکر

زیر مطالعہ کتاب ''**تعمیرِ انسانیت اور قرآن**'' ایک قابل قدر اور وقیع کتاب ہے، جس کے اندر صرف سیدھے انداز میں تعمیرِ انسانیت کے رہنمایانہ خطوط کا ذکر نہیں کیا گیا ہے؛ بل کہ اس میں نزول قرآن سے پہلے کی عالمی حالت کے ساتھ نزول قرآن کے بعد والی حالت کا تجزیاتی موازنہ بھی کیا گیا ہے، پھر تفصیل کے ساتھ ان امور کو ذکر کیا گیا ہے، جو تعمیرِ انسانیت کے سلسلہ میں قرآن میں مذکور

ہیں، اسلوب نگارش عمدہ ہے، نیز قرآنی آیات سے بھرپور استدلال کے ساتھ ساتھ قدیم وجدید تفاسیر اور متعلقاتِ قرآن کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

کتاب کے مؤلف جواں سال، جواں ہمت، پرجوش اور مستقل مزاج ندوی المشرب فاضل عزیز ورفیق **محمد صابر حسین ندوی** ہیں، جو عام لکھنے والوں سے ہٹ کر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں؛ بل کہ روز ہی ایک مضمون لکھ ڈالتے ہیں، جو شوشل میڈیا میں ''**صدائے دل ندائے وقت**'' کے کالم سے معروف ہے، ہر سال اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سمینار کے لئے اکیڈمی کی طرف سے دئے گئے تقریباً چاروں موضوعات پر مقالہ تحریر کرتے ہیں، جو اکیڈمی میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، ابھی حال میں سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی، اسلام آباد، پاکستان کی طرف سے منعقد عالمی مقالہ نگاری مقابلہ کے گروپ اے میں مؤلف نے دوسرا مقام حاصل کیا ہے، جو ان کی علمی تفوق پر روشن دلیل ہے، ان کے مقالہ عنوان ''**فقہ اسلامی کی تدوین جدید کی ضرورت واہمیت اور بنیادی خط وخال**'' تھا، فاضل مؤلف کی تحریری خدمات تو بہت زیادہ ہیں؛ البتہ کتابی شکل میں یہ پہلی کوشش ہے، جس کو پڑھ کر قارئین خود فیصلہ کریں گے کہ تحریری تمام کاوشوں کو صفحۂ قرطاس پر ضرور اور جلد آنا چاہئے، اللہ کرے کوئی سبیل پیدا ہو جائے آمین!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف کا قلم ہمیشہ تازہ دم اور تعب نا آشنا رہے، دن دونی رات چوگنی علمی وعملی ترقیات نصیب ہوں اور ان کی تحاریر سے عوام وخواص کو نفع عام وتام حاصل ہو، آمین یارب العالمین!

خیر اندیش

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

خادم: ہدی چلڈرنس اکیڈمی، دھنباد (جھارکھنڈ)

۵ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

۱۵ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

عرض مرتب

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم، اما بعد!

گر تو می خواہی زیستن ______ نیست ممکن جذ بہ قرآں زیستن

قرآن کریم خدائے عز و جل کا ابدی پیغام اور انسانی دنیا کیلئے دائمی لائحۂ عمل ہے، وہ زمانہ، وقت اور مقامات کی قیود سے پرے، خطے اور علاقے کے مفہوم سے بے نیاز ہے، حدود و ثغور اس کیلئے بے معنی اور بے سود ہیں، اس نے چھٹی صدی عیسوی کے اخیر میں افق انسانی پر دستک دی، جب اس کا تازہ دم خورشید طلوع ہوا تو پوری انسانیت ظلمت و تاریکی کی عمیق غار میں خود کشی کرنے پر تلی ہوئی تھی، انسان کا مقام حیوان سے بھی کم؛ بلکہ کمتر ہو چکا تھا، صنف نازک اور صنف ضعیف حرماں نصیبی اور ناقدری کے شکار تھے، بالخصوص عورتیں وراثت میں تقسیم کی جانے والی جائیداد یا پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کی جانے والی نعش بن کر رہ گئی تھیں، انسان غلاموں اور مزدوروں کی شکل میں بازیچۂ اطفال بنا ہوا تھا، عیش پسندوں اور امراء کی محفلوں کا زندہ چراغ بھی ہو جاتا تھا، ان کے سامنے حق وصداقت، سچائی و درستگی اور محبت و رافت بے معنی ہو گئے تھے، معاشرہ **قطعة من النار** ہوکر قریب تھا کہ اپنے آپ کو ختم کرلے، اسی قرآن پاک کا ارشاد ہے: **وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا** "اور تم جہنم کے گڑھے کے ڈھک پر تھے، تو اس نے تمہیں اس سے بچایا" (آل عمران: ۱۰۳)، نامانوسیت، ناامیدی اور غیر اعتمادی کی فضا عام ہوگئی تھی، دوستی وصلاح، ہمدردی و رواداری کا مطلب مفقود ہو چکا تھا، جنگ وجدال اور قتل وقتال کا بازار گرم تھا، بات بات پر انسانی جان لے لینا اور اپنے مد مخالف کو حق حیات سے محروم کر دینا عام بات تھی، قبائلی علاقوں اور دیہی باشندوں کی بندشوں میں پوری انسانیت جکڑ کر رہ گئی تھی۔

مذاہب و ادیان ایک عرصہ ہوا کہ اپنی خالص تعلیم و تعلم، تقدس و پاکی اور انسانی فلاح و کامیابی

کا راگ چھوڑ کر غیر اللہ کے ساز میں مسحور ہوگئی تھی، اس کی مضراب کا ہر تار غلط سر دینے لگا تھا، ناچ، گانا، جوا، شراب اور حسن پرستی، مطلب پرستی، آرام طلبی اور خود فراموش ہوکر خدا فراموش ہوجانا ہی ان کا خاص مشغلہ بن گیا تھا، بمشکل ہفت اقلیم میں کوئی ایسا دل دردمند، فکرار جمند اور جویائے حق پایا جاتا؛ جو پہلو میں دل لئے ہوئے ہو، جس کا سینہ اب بھی پروردگار کیلئے دھڑکتا ہو، یا کم از کم خیر وشر کی تمیز میں دل کا دربار لگاتا ہو، اور اپنے آپ کو انسان کہلانے کا حق رکھتا ہو، مذاہب کے اجارہ داروں نے جنت اور جہنم کا پروانہ تقسیم کرنا شروع کردیا تھا، جنسی استحصال اور مالی حرص اپنے بام عروج پر تھی، **لا موجود الا البطن** اور **لا الہ الا المعدۃ** کے نعروں کے سوا کچھ نہیں رہ گیا تھا، عظیم امپیرر اور حکمران محض اپنی سلطنت کی وسعت اور جاہ وجلال، عیش وعشرت کی فراوانی کے علاوہ کسی چیز کے خواہاں نہ تھے، ان کا دل پتھر اور ان کی فکریں بالیدگی کا شکار ہوگئی تھیں، وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے بے دریغ انسانی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے، عزت وعصمت کو تار تار کرتے اور انسانیت کا حجاب چاک کرنے میں کسی طرح بھی چوک نہ کرتے، قران کریم نے اسی کا نقشہ کھینچا اور اس سے بہتر کوئی اور کیا مصوری کرے گا: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ''اور لوگوں کے ہاتھ کی کمائی کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد مچ گیا تھا'' (روم:۴۱)۔

ایسے میں قرآن کریم کا نازل ہونا گویا انسانی زندگی کیلئے باد بہاری تھی، موسم خزاں میں فصل بہاراں کا پتہ تھا، اندھیروں میں شمع کا فروزاں ہونا اور سسکتی وبلکتی انسانیت کے حق میں آب حیات تھا، اس کا اسلوب، نگارش، طرز بیان اور انداز بیان سے لے کر ہر حرف اور مضمون اور اس کا ہر ایک نوک وپلک ایک معجزہ تھا، کائنات انسانی کو اکسیر ہاتھ لگ گیا تھا، اس نے کامیابی وہنرمندی اور فلاح کا نسخہ کیمیا پالیا تھا، اس نے ھدی للناس اور بشارت کا صندوق حاصل کرلیا تھا، وہ زمانے پر حکمرانی کا ذریعہ اور انسانی تعمیر کا خزانہ پالیا تھا، جو اپنے اگلوں کی بھی تصدیق کرتا اور خود کی بھی تعریف بیان کرتا تھا، نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ۔ ''اس نے آپ پر ٹھیک ٹھیک کتاب اتاری ہے،

پہلی (کتابوں) کیلئے وہ تصدیق ہے'' (آل عمران: ۳)۔ چنانچہ اس کے اعجاز نے حاملین قران کو ثری سے ثریا تک پہونچادیا، وہ خاک سے عرش کے دوش پر سوار ہوگئے، بر و بحر پر قابض ہوگئے، ان کی ہیبت سے دو نیم جن کی ٹھوکر صحرا و دریا کا مصداق ہوگئے، اس سے مرد آہن اور میدان جنگ کا سالار و سپہ سالار اور معاشرتی حیات کا منکسر و محب پیدا ہونے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے ایک چھوٹے سے عرصے میں اس نے زمانے کے تخت و تاج کو کچل ڈالا اور باطل کے ایوانوں میں کہرام مچادیا، اور ایک مثالی معاشرہ اور انسانی مجموعہ منصۂ شہود میں آیا جس کی کوئی مثال نہ تھی، جن کا استقلال و عزم ہمالیہ کو عار دلاتا اور جن کی تواضع و تذلل فرشتوں کیلئے قابل رشک ہوتا، علامہ اقبال نے ایسے ہی نوجوان گروہ کے متعلق فرمایا تھا:

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس کی تکبیر و تفسیر مغرب کی وادیوں میں گونجی، اس نے ہندوچین پر بھی سطوت و قوت کا مظاہرہ کیا، اس کے ہشت پہل تعلیم نے انسانی زندگی میں نگینہ کا کام کیا، اس کے ماننے والوں نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی قلابیں ملادیں، زمین اپنی تمام تر وسعتوں اور فراخی کے باوجود سمٹ کر رہ گئی ہے، چہار جانب انسانی تعمیر کا دور دورہ تھا، صدق و صفا، عزت و تکریم، امانت و دیانت، محبت و مودت، صوم و صلاۃ اور عبادت و زہد کا ہی غلغلہ تھا، اس نے انسان کی عزت بحال کردی تھی، اور اسے تعمیر و ترقی کا

رازہائے سربستہ بتلا دیا تھا، اس کے ذریعہ عرب کے ریگستان اور صحراء سے بھی رنگ برنگے پھول اگنے لگے تھے:

تمدن آفریں، خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارہ

اور صاف صاف اس عالم بیابان میں قرآن کے شگوفے کھلنے لگے، جن سے ان کے اقدار کو فلک بوس بنا دیا اور خدائے کریم کی نظر کا نور نظر بنا دیا، اس نے علی الاعلان یہ اعلان کر دیا:

۱-إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ''تمہارے لئے اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ تم امانتوں کو امانت والوں تک پہونچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بلا شبہ خوب نصیحت ہے جو اللہ تمہیں فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا اور خوب نگاہ رکھنے والا ہے'' (نساء:۵۸)۔

۲-يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنا دیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلا شبہ اللہ کے یہاں تم میں سے بڑا عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیز گار ہو، بیشک اللہ خوب جانتا ہے، خوب خبر رکھتا ہے'' (حجرات:۱۳)۔

۳-وَالْعَصْرِ، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ''زمانے کی قسم! یقینا انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی'' (عصر:۱ تا ۳)۔

۴۔قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ "بتادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، وہ اللہ جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں، نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا اور کوئی بھی اس کے جوڑ کا نہیں" (اخلاص:۱ تا ۴)۔

دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم ایک اتھاہ سمندر ہے اور اس کے ہر قطرہ میں سیپ وموتی ہیں؛ لیکن خصوصا یہ چند آیات پوری انسانی زندگی کی تعمیر وترقی کیلئے ایسی ہیں جو کافی وشافی ہوسکتی ہیں، قرآن کریم نے ایک انسان کو بحیثیت کمزور ونادان کے ان تمام تراکیب وطریقہ پر رہنمائی فرمائی؛ جو اس کے حق میں دوٹوک ہو اور وہ چمن کا عطر مجموعہ بن سکے، یہی وجہ ہے کہ لفظ "**الانسان**" کا تذکرہ ۵۶ رمرتبہ کیا گیا ہے، اور اس کے ہر ایک ضعف کو کھول کھول کر بیان کیا؛ تاکہ وہ زندگی کی شاہراہ پر کسی لمحہ بھی ان کے تئیں غفلت نہ برتے، ورنہ تعمیر انسانیت کے بجائے وہ تخریب انسانیت کا ذریعہ بن جائے گا اور انسانیت کا انجام کار خطرناک ثابت ہوسکتا ہے، جیسے کہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری شہوت اور جنس مخالف کی طرف میلان ہے، اس کمزوری کو بیان کرنے بعد قرآن اس کی طرف صحیح رہنمائی کرتے ہوئے عقد مسنون کی رغبت دلاتا ہے:

۱۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ، وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا، يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا "اللہ تعالی چاہتا ہے کہ (سب چیزیں) تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کردے اور گزشتہ لوگوں کے طریقے تم کو بتادے اور تم کو معاف کردے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمتوں والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم توجہ فرمائے اور خواہشات کے پیچھے لگنے والے چاہتے ہیں کہ تم بڑے انحراف میں پڑ جاو۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ کو ہلکا کردے جبکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے" (نساء:۲۶ تا ۲۸)۔

۲۔ انسان اپنی زندگی میں سب سے زیادہ حالات سے ناامیدی کا شکار ہوجاتا ہے، حتی کہ وہ

ڈپریشن اور خودکشی کی راہ اختیار کرلیتا ہے،قرآن کریم نے اس کا علاج صبر بتلایا: وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ، وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ، إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں پھر اس کو چھین لیتے ہیں تو وہ بڑا مایوس، سخت ناشکرا ہوکر رہ جاتا ہے۔اور اگر تکلیف کے بعد جو اس کو پہونچ چکی ہو راحت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہے کہ میرے سب درد دور ہوگئے، یقینا (اس وقت) وہ اترا کر شیخیاں بکھارنے لگتا ہے۔سوائے ان لوگوں کے جو ثابت قدم رہے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسوں ہی کیلئے بخشش اور بڑا اجر ہے'' (ھود:۹ تا ۱۱)۔

۳۔یہ عام بیماری ہے کہ انسان خدا کے عطیات کو حقیر جانتا ہے،اس کا علاج خدا کی نعمتوں کو یاد کرنے اور ان کا استحضار کرنا بتلایا گیا: وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ''اور جو تم نے مانگا وہ اس نے تمہیں دیا اور اگر تم اللہ کی نعمت کا شمار کرنے لگ جاؤ تو تم اس کو گن نہیں سکتے، بلا شبہ انسان بڑا ہی ناانصاف اور بہت ناشکرا ہے'' (ابراہیم:۳۴)۔

۴۔انسانوں کی تعمیر میں سب سے بڑی رکاوٹ تکبر وفخر ہے وہ اس سلسلہ میں خدا سے بھی مخاصمہ کر بیٹھتا ہے،ایسے میں قرآن اسے اپنی اصل آفرینش کی طرف توجہ دینے اور فکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ''اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا تو وہ کھل کر جھگڑنے پر آ گیا'' (نحل:۴)۔

۵۔اکثر انسان مصائب وآلام میں خدا کو یاد کرتا ہے لیکن خوشحالی وفراخی مین اسے بھول جاتا ہے،لیکن قرآن احساس دلاتا ہے کہ خدا کی ذات ہر ایک صورت میں یکساں رہتی ہے: وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ''اور جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو سوائے اس ذات کے جس کو بھی تم پکارتے ہو سب گم

ہوجاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی میں لے آتا ہے تو پھر تم منہ موڑتے ہو اور انسان حد درجہ ناشکرا ہے'' (اسراء:٦٧)۔

٦۔انسانوں کی حرص و ہوس کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ دولت پر نگہبان بن کر براجمان ہوجاتا ہے، اور شح و کنجوسی کی انتہا کر بیٹھتا ہے، قرآن نے اس کی اس کمزوری کا ذکر اور صاف کہہ دیا: قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ''کہہ دیجئے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو خرچ کے ڈر سے روکے ہی رکھتے اور انسان تو ہے ہی بہت تنگ دل'' (اسراء:١٠٠)۔

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح ہر چمکتے و دمکتے سورج کو عروج کے بعد زوال سے دوچار ہونا ہے، جوانی کو پیری اور شباب کو ضعف طاری ہونا ہے، موسم بہار کو خزاں کا سامنا کرنا ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تابانی اور اس کی چکاچوند کے سامنے اس کے حاملین کا نسیان و غفلت بھی انہیں لے ڈوبا، اب اگر سونار سونے کی قیمت سے غافل ہوجائے تو کس کا رونا رویا جائے؟ اگر کوئی مشک کا مالک ہو؛ لیکن قوت شامہ سے محروم ہوجائے تو اس سے کیسی شکایت؟ نابینا کیلئے سورج کی گرمی و تپش اور رات کی چاندنی کا کیا مطلب؟ کسی چٹیل میدان اور غیر ہموار زمین کیلئے ابر باراں کی کیا اوقات ہوگی؟ مجنوں و مدہوش کیلئے یا بے بصیرت شخص کیلئے دنیا و جہاں کی رعنائیاں کس کام کی؟ چنانچہ آج عموماً قرآن کریم کی کی جانب بے توجہی اور بے التفاتی پائی جاتی ہے، تعمیر کے نام پر مغربی لٹریچر کو فائق و برتر سمجھنا اور انہیں اپنا آڈیل بنا کر اس پر فخر کرنے کا رواج ہو چلا ہے، ہر کوئی اس کی پرسنالٹی ڈیولپمنٹ (تعمیر شخصیت) کا ثنا خواں ہے، اور انہی کے ذریعہ دنیا و مافیہا کا معتمد ترین شخص بننا چاہتا ہے، گویا ان کی کیفیت علامہ اقبال کی زبانی یہ ہوتی ہے:

عشق قاتل سے بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟

سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی
شر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟

حقیقت تو یہ ہے کہ دانستہ یا غیر دانستہ اسے قرآنی اصول تعمیر پر فوقیت دینا چاہتے ہیں، کلاسیز اور میزیں لگادی گئیں ہیں، اس کی خاطر زہر آلود جدید نصاب وکورس تیار کردیا گیا ہے، اور ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے؛ کہ قرآن کریم کو دوسرے درجہ کی کتاب قرار دے دیا جائے اور خود مسلمان اسے اپنے ہاتھوں سے پس پشت ڈال کر تہذیب حاضر کے تختہ دار پر سولی چڑھ جائیں، اور اسلام وقرآن کی حقانیت کو مسمار کردیا جائے،؛ تاکہ زمانہ پر پھر سے ظلمت کدوں اور ظالم وخودسروں کا بسیرا ہوجائے اور پھر وہی ماضی کی داستانیں دہرائی جائیں، لیکن یہ بات سمجھ لینے اور دل کی گیرائی وگہرائی میں اتار لینے کی ہے؛ کہ قرآن تو مثل آفتاب اپنی تابانی ودرخشانی پر برابر قائم ہے، آج بھی وہ موجوں میں طوفان پیدا کرنے، سمندر کے سکوت میں تلاطم پیدا کرنے، اور پہاڑوں کے سینے چیر کر راستہ بنانے، ندیوں میں گھوڑے ڈال دینے اور خشکی پر کشتی چلادینے پر قادر ہے، اس کے ذکر سے خلا پر رعشہ طاری ہوجانے، دلوں کو گرمادینے اور انسانی زندگی میں تعمیر کا عنصر بحال کردینے کی صلاحیت ہے، وہ روز اول کی طرح تازہ بتازہ اور سرسبز وشاداب ہے، اس میں وہی جوش وولولہ ہے، کیونکہ وہ خدائے عزوجل کی صفت مبارکہ ہے، اس میں کسی طرح بوسیدگی یا قدامت کی کوئی گنجائش نہیں ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ''جو کچھ اس پر ہے وہ سب مٹنے والا ہے، اور (صرف) آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بڑی عزت وکرم والی ہے'' (رحمن:۲۶۔۲۷) اور اسی کی ذات کا یہ وعدہ برحق ہے،: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ''ہم ہی نے اس نصیحت (نامہ) کو اتارا ہے اور یقینا ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' (حجر:۹)۔

آج مسلمانوں کی کم مائیگی وبے بضاعتی اور درماندگی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کا مجرم ہے، اس نے اسے طاقوں میں سجانے اور تعویز وگنڈے کی کتاب بنا کر رکھ دیا ہے، اس کے لائحہ عمل اور

نظام حیات کو قولا اگر چہ قبول کرنے کا دعوی کرتے ہیں؛ لیکن ان کا عملی میدان اس سے یکسر خالی ہے، یہی وجہ ہے کہ روز قیامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کی قرآن سے دوری اور مہجوری کی شکایت کریں گے: وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ''اور رسول کہیں گے اے میرے اللہ میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال رکھا تھا'' (فرقان: ۳۰)، علامہ اقبال نے مسلمانوں کی اسی کج بینی و کج ادائی کی طرف اشارہ کیا ہے:

سینہ ہا از گرمی قرآں تہی
از چنیں مرداں چہ امید بہی

یعنی مسلمانوں کے سینہ تو ایمان و ایقان کے جذبہ اور حرارت و گرمی کی دولت سے محروم ہیں، ایسے لوگوں سے فائدے اور کامیابی کی بھلا کیا امید کی جاسکتی ہے؟ مزید فرماتے ہیں:

صاحب قرآں و بے ذوق طلب
العجب، ثم العجب، ثم العجب

اس کا مطلب یہ ہے کہ دور جدید کا مسلمان حامل قرآن وسنت ہوتے ہوئے بھی اپنی گم شدہ میراث کو حاصل کرنے اور نائب حق کے عہدے پر سرفراز ہونے کے ذوق وشوق ہی سے محروم وخاسر ہے، ایسے مسلمان پر حیران وششدر ہوئے بغیر نہیں رہا جاتا، اس پر افسوس صد افسوس کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ اس سے زیادہ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان قرآن پاک سے مستفید ومستفیض ہونے کی کوشش ہی نہیں کرتا ،اس کا گلاس جام ،اس کا پیالہ مئے سے یکسر خالی ہے، اس کے اندر ملی شعور، عصری آگہی، غم امروز اور اندیشہ فردا کے جواہر جلوہ گر نہیں، اس کا سینہ سخن کیلئے روشن نہیں، وہ مرگ دوام کے دام میں ہے، ایسے میں کیونکر عروج کی امید کی جاسکتی ہے:

بندہ مومن زا قرآں بر نخورد
ندر ایاغ او مے ویدم نہ درد

خیال رہے کہ اگر حاملین قرآن کریم قرن اول سے مشابہت بھی رکھتے ہوں تو اس کی طاقت پرواز اور قوت پرواز کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا، اس کی قابلیت و ہنرمندی اور جگر بازی کا کوئی مقابلہ نہیں، اس میں زمانے کا ہر ستم برداشت کرنے، کوہستان میں بہاراں پیدا کرنے، ریگستان میں نسترن وگلاب اگانے اور بنجر کو سبزہ زار کرنے کی صلاحیت ہے، وہ تیر وخنجر کو زیر تبسم جھیل جانے، وہ لعن وطعن اور تشنیع و تغمیز کو ابر باراں سمجھ کر اس سے جسم تر کرنے کا عادی ہوتا ہے، عاشق اگر چاہے تو فلک زیر زمیں ہوجائے اور زمین کا ہر گرد پارہ کیا؛ بلکہ شہ پارہ بن جائے، چاند، تارے توڑ لائے، قوس وقزح کا حسن اور دیدہ نظری سے جھولی بھر لے، وہ سمندر کی تہہ در تہہ سے لعل وگہر چن لائے، وہ گیرائی وگہرائی میں غرق ہوکر؛ اپنی ہستی کو گم کرکے اور وجود بے نام ہوکر ہفت خواں پر حکمرانی کرے، عشق قرآن کا جذبہ رسم ورواج پر تالے لگا دیتا ہے، عقل ودانشمندی اور حکمت ودانائی کے دروازوں پر قفل لگا دیتا ہے، اس کے سامنے ہر سر خم اور ہر خم، سر ہوجائے، وہ اپنی سوزش ولگن اور اندرونی آگ سے چہار دانگ عالم میں روشنی بکھیر دیتا ہے، ہر مشکات کا چراغ اسی سے روشنی پاتا ہے، ہر دم میں اسی کا دم ہوتا ہے، وہ اگر چاہے تو سورج کی تابانی اور چاند کی چاندنی اور اس کی ٹھنڈک کو قید کرلے، اور اپنے دل کی وسعت میں ایسے سمالے کہ زمانہ اس پر رشک کرے۔

قرآن کہنے کو تو ایک چہار حرفی لفظ ہے، لیکن معنوی طور پر ایک پرزور سرچشمہ ہے، وہ دولت بے بہا، نعمت سرمدی، رطل گراں اور شوق لافانی ہے، وہ ایک ایسا فعال، محرک اور قوت آفریں احساس ہے، جو انسان کے اندرون میں ایک ایسا طوفان اور بھونچال برپا کرتا ہے، جو ہر طوفان کے سامنے ثابت قدم رکھتا ہے، یہ زلزلہ بردوش بناتا ہے، آہنی دیوار اور چٹان بناتا ہے، وہ سد سکندری، جدار چین کی مضبوطی کو مات دیتا ہے، وہ ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کو بیتاب ہوجاتا ہے، اس کے سامنے اس کی جان اس کا مال اور کارگاہ عالم کی ہر محبت نثار ہوتی ہے، جب یہ حوصلہ ابدی، قوت لازوال ذات، اہل و عیال اور آب زلال کی محبت سے فزوں تر ہوتی ہے، تو معجزات وکرامات کا ظہور ہوتا ہے، ناممکن ممکن بن

جاتا ہے، بحر بیکراں میں پھنسی کشتی بھی ہچکولے اور جاں گسل لہروں سے ساحل حیات کو لگ جاتی ہے، اس کا ناصواب بھی سراپا صواب بن جاتا ہے، وہ ہر زہر کا تریاق ڈھونڈ لیتا ہے، وہ ہمالیہ کی بلندی اور بحر قلزم کی سرکشی پر بھی فوقیت لے جاتا ہے۔ یہی جب عملی زندگی میں رچ بس جائے تو دین وللہیت اور اخلاص و محبت، جہاد و جہد کا خاصہ بن جاتا ہے، تو وہ اطاعت وجذبہ ارادت سے سرشار ہو جاتا ہے، اور مجبور ہو جاتا ہے؛ کہ اطاعت خداوندی اور طاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور ہو جائے، وہ داعیہ عمل و عبادات میں ادب واستقامت، اور استقلال کا مالک بن جاتا ہے، وہ معراج ربانی وانفرادی سے مزین ہوتا ہے، اسی لئے شاعر کہتا ہے:

ان كان حبك صادقا لأطعته

ان المحب لمن يحب مطيع

یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے زبوں حال و پراگندہ بال امت مسلمہ کی نیم جان روح میں مسیحائی کا خواب لئے، اور قرآن کریم پر لازوال ایمان ویقین رکھتے ہوئے؛ اس کی عظمت رفتہ کے پیش نظر عصر حاضر میں انسانی تعمیر وترقی کے عناصر کو جدید قالب میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، اس موضوع کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے؛ کہ اس دور میں بہت سے حلقوں اور حزب مخالف کی جانب سے یہ تیز وتند تحریک چلائی جارہی ہے اور یہ دعوی کیا جارہا ہے: کہ قرآن کریم جنگ وجدل اور تشدد وتعصب، دقیانوسیت کا مرقع اور بوسیدہ خیال کتاب ہے، اس کے اندر زمانے کا ساتھ دینے اور حالات حاضرہ کے مطابق انسانی تعمیر وترقی کے اندر کوئی قابل ذکر کردار ادا کرنے کی سکت نہیں، اسے کسی طاق نسیاں یا عجائب گھر میں بند کر دینا چاہئے، اور اسے قصہ پارینہ بنا دینا چاہئے، اس مقصد کو باقاعدہ انجام دیا جارہا ہے، اس کیلئے مطلوب آیات کا انتخاب کر کے اور اس کے اندر کتر وبیونت سے کام لیتے ہوئے اس دعوی کو تقویت دی جارہی ہے، اور خاص طور سے ظلم واعتداء میں دفاعی کاروائیوں کا حوالہ دیا جارہا ہے، اسی پیش نظر سینیما گھروں میں بھی ایسی فلمیں نمائش کیلئے جاری کی

جارہی ہیں جن کا محور قرآنی آیات کو لغو ثابت کرنا ہوتا ہے، حال ہی میں یوروپ کی جانب سے ''فتنہ'' نامی فلم اس کی واضح مثال ہے۔

ایسے میں یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ قرآن کریم میں موجود انسانی تعمیر، انسانیت کی فلاح و بہبود، انفرادی و اجتماعی زندگی کے رہنما اصول وضوابط بیان کئے جائیں، اور اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ذہن وفکر کو اپیل کرے، اس میں انسانوں کی مرکزیت کو واضح کیا جائے، اور قرآن کریم کے اس دعوی ''ھدا للناس'' شفاء للصدور'' اور ''بیان للناس'' وغیرہ کی تشریح وتوضیح ہو، اور ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے جس کے اندر انسانی اخلاق کی صلاح وبہتری، انسانیت کا احترام ومقام کا تذکرہ ہو، اور حتی الامکان دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور ان مذاہب کی کتابوں کے درمیان قرآن کریم کی انفرادیت و یکتانیت کا بھی بیان ہو؛ محرر کا یہ مجموعہ اسی ضرورت کی طرف ایک ادنی قدم ہے، اس سلسلہ میں قرآن کریم کو اولیت دی گئی ہے، اور پھر قدیم مصادر ومراجع، تفاسیر وتشریحات اور بہت سی جگہوں پر سیرت و تواریخ کے شواہد ودلائل بھی پیش کئے گئے ہیں، جو بات بھی درج کی گئی یا جس نقطہ نظر کو بھی ترجیح دی گئی ہے؛ اس میں اپنے مدعا کو پیش کرتے ہوئے بھرپور حوالہ جات کا سہارا لیا گیا ہے، اعتدال وتوازن اور توسط کا دامن تھامے رہنے، زبان شستہ وشگفتہ اور شاداں استعمال کرنے اور سلاسلت وروانی کا خیال رکھنے کی بھی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے، تاہم راقم اپنی اس کوشش میں نا تو کسی جدید تحقیق یا جدید گوشہ علم کی تخریج یا کسی تدقیق وتدوین کا مدعی ہے اور نا ہی اسے کمیوں، کوتاہیوں اور نقائص سے بالاتر سمجھتا ہے؛ البتہ حتی الوسعہ وقت حاضر کی ایک اہم ضروت کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کرنے اور بہتر سے بہتر طور پر ناظرین کرام کیلئے سامان بہم پہونچانے کی سعی حقیر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رب کریم کی کریمی اور عنایت ولطف کے بغیر کوئی پرزہ کارگر نہیں، اسی کے دم سے دنیا و جہاں کی شوخی ہے، سورج کی روشنی، ستاروں کی چمک سے لے کر اس آب وگل کا رازداں، کم جثہ، نحیف ساخت اور کمزور اعضاء کا مالک انسان بھی گوہر نایاب اور اشرف المخلوقات ہے، وہ جو ہمہ

رحمت و مرحمت اور ہمہ شفقت و مغفرت ہے، جس کی یاوری سے مشت خاک بھی اوج پالے، اس کی تجلیات رحمت امت کے عظیم تباہ کار، سیہ کار کو بھی اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو محرر جیسے ہوا خواہوں کی کیا مجال کہ وہ کوئی شرف و مقام تو دور کوئی وجود بھی پائے، اور اس کی کوئی کاوش بالخصوص قرآن کریم کے موضوع پر **"تعمیر انسانیت اور قرآن"** کی روشنی میں منظر عام پر آئے؛ اگر اس کی توفیق و رعایت اور دستگیری نہ ہوتی؛ تو کیونکر قلم کو جنبش ہوتی؟ کیونکر کوئی اس نوشتہ کو عزاز و عزت اور قدر و منزلت کا پیرہن نصیب ہوتا؟ اور کیونکر دل بیقرار کو مہمیز ملتی اور اپنی علمی گستاخیاں اپنے اساتذہ و اکابرین کی نذر کرتا؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر اس کی محبت و جمال کا عنصر نہ ہو؛ تو فاتح عالم سکندر بھی آب حیواں سے واپس لوٹ آتا ہے، اور ایک شدت پیاس سے مارا دریا کے کنارہ رہ کر بھی مرض استسقاء کا شکار ہو جاتا ہے، ایمان و نور اور ہدایت کا مظہر، عجائب کائنات کے باوجود تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

ایسے موقع پر قلم کیا لکھے اور کس کس کا شکر بجالائے، جس کا بال بال شکر و امتنان میں غرق ہو وہ بھلا کس کنارے اور ساحل کی بات کرے؟ چنانچہ اگر خدا رب حقیقی ہے؛ تو اسی نے رب مجازی کا رتبہ بھی کسی کو دیا ہے، جس کے بغیر گلستاں ویران ہے، چمن کی رونق ماند ہے، چنانچہ والدین، آباء و اجداد کی نیک نیتی، حسن عقیدت اور بے لاگ مودت کا کیا مقابلہ؟ اس کے بعد اولین کتابوں کے محسنین و مربیین کے احسانات سے کوئی کیسے سبکدوش ہو سکتا ہے؟ اور مادر علمی دار العلوم تاج المساجد بھوپال ایم پی میں نو سالہ عالمیت کی تکمیل کے مراحل، وہاں کی پر بہار اور خنک ہواؤں، لطیف و سبک فضاؤں کا کیا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟ جملہ اساتذہ کرام کی بے غرض اور بے لوث محبت، طریقہ تدریس، کتب خانہ کی جلوہ نمائی، اور خود تاج المساجد کی خوبی و محبوبی، حسن و جمال کو کیسے دل سے نکالیں؟ اس طویل ترین سفر میں نادانی و بچپنہ کی یاری، وہ دوستی اور دشمنی، چار دیواری کی سیاست کو عالمی سیاست کا نظریہ لے کر چپقلش کرنا، اور مذاکرہ کی گہما گہمی، کمروں میں دیوانگی اور خرابی کا ماحول، کھیل کود کی جیت کو سکندر کی فتح سمجھنا، اور شکست کو دو عالم کی ریاست سے معزولی گردانا؛ کیونکر محو ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد علم وعرفاں کے مرکز ومنبع اور چشم حیواں، جدید نافع وقدیم صالح کا علمبردار دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ یو پی کی دو سالہ شعبہ فقہ سے فضیلت کے دوران اکابرین امت کی رہنمائی وشفقت، طرز تدریس، فکر اسلامی کی پختگی میں نمایا کردار، شبلی لائبریری کا احسان، بلکہ وہاں کی ہر فضا، ہر ساعت کا زندگی میں اکسیر بن جانا، اس کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنالینا اور اس کے ذکر وفکر کو وراثت سمجھ کر حرز جان بنالینا؛ تو گویا دل کی تختی پر نقش کالحجر کی اہمیت رکھتے ہیں، اللہ اسے ہمیشہ شاداں و شاداب رکھے۔ مزید برآں یہ کہ مرشدی ومربی ناظم ندوۃ العلماء اور صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ **حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم** کے حوصلہ افزا وہمت افزا کلمات بابرکت کی احسان شناسی سے دل جھکا جاتا ہے، آپ کی اس عنایت ومحبت کا بدل کیسے ممکن ہے؟ اسی طرح المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں مخدوم گرامی **حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی** کی خصوصی کرم فرمائیوں اور فقہی مزاج، تحریری ذوق، تحقیقی شوق اور حسن ترتیب وتنسیق، اسلامی معیشت پر متوجہ کرنا اور ان سب سے بڑھ کر وہاں کے اساتذہ کا پدرانہ کردار، اور حوصلہ افزائی کا کن لفظوں میں شکریہ ادا ہو؟، اس علمی سفر کے دوران مکرمی **حضرت مولانا مفتی محمد جمیل اختر جلیلی ندوی صاحب مدظلہ العالی** کی رہنمائیوں، حوصلہ افزائیوں اور بات بات پر کچھ کر گزرنے کے مشوروں کو کیسے بھلایا جاسکتا ہے؟ حق تو یہ ہے کہ عالی جناب ہی کی کرم فرمائی کی وجہ سے زیر نظر کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ انہیں کی عنایت ولطف ہے؛ کہ علم سینہ آج علم سفینہ بن کر اوج کمال کو پہونچ رہا ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس سلسلہ میں جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور کرناٹک کا ذکر نہ آئے؛ جہاں تدریسی خدمات کی نوبت، انتظامیہ کا بات بات پر ہمت باندھنا اور محنت ومشقت پر ابھارتے رہنا اور اس کے عوارض کو بہت حد تک دور کرنے کی کوشش کرنے میں محترمی **حضرت مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی دامت برکاتھم** کی کاوشیں اور اساتذہ کرام کی پر کیف محفل، باہمی اعانت وہمدردی کا صلہ تو صرف رحمن کی رحیمی ہی سے ممکن ہے، راقم اس موقع پر اپنے تمام محبین ومنتسبین کی خدمت میں فرداً فرداً ہدیہ تشکر پیش کرتا

ہے، ہونا تو یہ چاہئے؛ کہ وہ آپ کے بار احسان پر سبھوں کے دست وجبیں کو بوسہ دے کر، سینہ سے سینہ ملا کر محبت وعقیدت کا نذرانہ پیش کرے، بلکہ ایک گستاخ، مشت خاکی کو یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ بفضل الہی آپ ہی کی تگ ودو، دعاؤں اور عنایتوں نے کندن کی تراش اور خراش کی ہے، آپ ہی نے اس ہمہ کثافت وزبوں ہمت کو حوصلوں کے پر وباز وعنایت کئے ہیں، ورنہ یہ نوازش اور یہ سرتا پا حسرت نصیبی اور قابل رحم جان۔ یقینا آپ حضرات کی نگاہ عاطفت کا بدل جنت ہے، اس کی آسائشیں اور رضائے الہی ہے، بس عرض ہے کہ یونہی لطف کا موسم قائم رہے، ورنہ نہ جانے کتنے خاک سے اٹھے اور خاک میں مل گئے۔

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
اور ضمیرش دیدہ ام آب حیات

محمد صابر حسین ندوی

۰۲ رصفر ۱۴۴۰ھ
۱۵/ ۱۰/ ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً ﴿نحل:۸۹﴾

کشتی خاک پر انسانوں کا وجود اور اسکی تخلیق گنجینۂ گل میں گل سرسبد اور انگوٹھی میں نگینہ کے مثل ہے، اس کے حسن وتزئین، دلکشی ودلفریبی میں چار چاند لگانے اور اسکی چولیں مضبوط کرنے کی ایک اہم کڑی ہے، اسکی آمد سے قبل یہ دنیا اپنی نیرنگیوں کے باوجود بے رنگ، آبشاروں اور جھرنوں کی اٹکھیلیوں کے درمیان پژمردگی کا شکار تھی، تاحد نگاہ پانی وجن اور دیگر مخلوقات کی وجود پذیری بھی اسے سرود ازلی نہ دے سکا تھا؛ لیکن بنی نوع انساں نے اسے بام عروج بخشا، اشرف المخلوقات کے مقام عالی نے ثری سے ثریا بلکہ عرش بریں تک پہونچا دیا، اس کا تعلق جذبات وانس، محبت ویاس سے جوڑ کر تن بے روح میں جان ڈال دی اور انسانیت کی کھیتی لہلہا اٹھی۔

حقیقت یہ ہیکہ اس عالم انسانی کی خوش گوار فضا جلد ہی مسموم ومکدور ہونے لگی؛ دنیائے انسانی پر انسانوں کے بسنے اور شیطان کی رسا کشی نے اس آب وگل میں بھی طوفان برپا کر دیا، کیونکہ تخلیق آدم کے وقت کیا گیا وعدہ:

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ(۳۶) قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ(۳۷) إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ(۳۸) قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿حجر:۳۹﴾

وہ بولا اے میرے رب! پھر تو مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن یہ اٹھائے جائیں گے، فرمایا بس ٹھیک

ہے تجھے مہلت ہے، اسی متعین دن تک، وہ بولا اے
میرے رب! جیسے تو نے مجھے بے راہ کیا میں بھی ضرور
زمین میں ان کے لئے دلکشی پیدا کر دونگا۔

پوری محنت ولگن اور جہد پیہم کے ساتھ انجام دیا گیا، چنانچہ ایک خاص مدت کے بعد انسانوں میں اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود بگاڑ وفساد اور آپسی انتشار رونما ہوگیا، جستہ جستہ قتل وقتال اور جنگ و جدال کا بازار گرم اور ہمدردی و رواداری ''علی عقبیہ'' لوٹنے لگی، مقصد تخلیق یاد پارینہ اور معاشرتی میل جول میں کدورت کا زہر گھل گیا، جفاکشی وجاں نثاری کی جگہ کم ہمتی، سستی وکاہلی اور خودغرضی ومطلب پرستی نے لے لی؛ قریب تھا کہ انسانیت اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتار دے اور ننگ وعار ہوکر سر بازار رسوا ہو جائے؛ بلکہ عین ممکن تھا کہ صفحہ ہستی کی بساط لپیٹ دی جائے اور قیامت بپا کر دی جائے، یہ حال کسی علاقہ یا ملک کا نہیں بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ کا تھا لیکن وہ رب کریم جس نے اعلان کر رکھا تھا ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ :اعراف:۱۵۶﴾ ''اور میری رحمت ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے''۔

اسکی یہی صفت انسانوں کا مداوا بننے اور اسکے زخموں پر پھایا رکھنے کا سبب بنی؛ چنانچہ اشرف المخلوقات ہی میں ایک ایسے مخلوق کا سلسلہ شروع کیا، جنہیں ہم انبیاء کے نام سے جانتے ہیں، ساتھ ہی انہیں احکام واذکار، دستور وآئین کا مجموعہ بھی عنایت فرمایا جسے ''صحف سماویہ'' کہا جاتا ہے، جن کے ذریعہ فطرت پر لوٹانے، بھولی بسری باتیں یاد دلانے اور راہ سداد پر لگانے کی انتھک کوشش کی جاتی، یہی وہ مشن تھا، جس کی کارفرمائی نوح، ابراہیم، داؤد، موسی، عیسی علیہم السلام ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی اور للّٰہیت کی صدا لگاتے رہے، جسکی بازگشت سے انسانیت صلاح وکامرانی پر گامزن ہوتی رہی۔ بالخیر واخیر میں نبی آخرالزماں کو آخری صحف سماویہ (قرآن) کے ساتھ مبعوث کیا گیا، جس کے ذریعہ تعمیر انسانیت کی بنیاد بلکہ تجدید بنیاد کے ساتھ ساتھ قیامت تک کیلئے صراط مستقیم کی بازیافت اور نجات دارین کا تریاق عطا کیا گیا؛ چنانچہ آئندہ سطروں میں انہیں تعلیمات (قرآن) کی شمع تلے انسانیت کی تعمیر اور اس کے نئے نئے ابواب و دریچوں اور ''عقدۂ

لانحل''، کی گرہ کشائی کی کوشش کی جائے گی،لیکن اس کے ساتھ ''الاشیاء تعرف بأضدادھا''، کے تحت بعض اہم اور ضروری بحثیں بھی منسلک کی جارہی ہیں؛ جو یقینا اس باب کو سمجھنے اور قرآن کی تعلیمات ونزاکت کے تئیں مفید ہوسکتی ہیں۔

فترۃ الأنبیاء؛ ناقدری کا صلہ

رشد وہدایت کی کڑی انبیاء ورسل طویل زمانے تک دستک دیتے رہے،قرآن میں یہاں تک ہے کہ؛ ہرقوم وعلاقہ میں رسول مبعوث کئے گئے:**وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ** ''اور ہم نے ہرامت میں کوئی نہ کوئی رسول (اس پیغام کے ساتھ) بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرواور طاغوت سے بچو'' (نحل:٣٦)،اور فرمایا:**وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ** ''کوئی امت ایسی نہیں گزری جہاں ہم نے ڈرانے والا (نبی) نہیں بھیجا'' (فاطر:٢٤)،ایک ضعیف روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور تین سو تیرہ رسول مبعوث کئے گئے؛ چنانچہ حضرت ابوذر سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

> .....فقلت یارسول الله کم النبیون؟ قال:مائة ألف وأربعة وعشرون ألف نبی، قلت : کم المرسلون منهم ؟قال:ثلاث مائة وثلاثة عشر '(١)۔
>
> میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کتنے انبیاء تشریف لائے؟ جواب دیا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے پوچھا: ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا: تین سوتینتیس۔

ان میں سے ١٢٥ انبیاء کے نام قرآن میں مذکور ہیں اور کچھ احادیث میں جنکی کل تعداد ٤٠ سے زائد ہوتی ہیں ،بقیہ انبیاء کا روایتوں میں کوئی تذکرہ نہیں ،مگر فرمان الٰہی (فاطر:٢٤) انکی تائید کرتی ہے،یہ سبھی اپنے اپنے

---

(١) مستدرک حاکم:٤/١٦٦/١٧٦

علاقے اور خطے میں شمع الٰہی کی جوت جگانے اور ظلمت میں روشنی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے،لیکن یہ سلسلہ حضرت عیسیٰؑ تک آ کر رک گیا؛جس کی وجہ تحریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رقمطراز ہیں:

> ----- کیونکہ انکی قوم نے ان کے ساتھ ایسا نامناسب رویہ اختیار کیا کہ اسکی بے برکتی سے انبیاء کے آتے رہنے کی نعمت رک گئی اور چھ سو سال تک رکی رہی اور جن کے پاس وحی الٰہی کے ذریعہ اللہ رب العالمین کا پیغام آتا اور وہ اس پیغام کو اپنی قوم کو پہونچاتے اور حق باتوں کی طرف رہنمائی کرتے ،اس مبارک سلسلہ کی ناقدری پر انسانوں کو کچھ مدت تک اس سے محروم کر دیا گیا(۲)۔

قرآن کریم نے بھی بہت حد تک اجمالاً وتفصیلاً انبیاء کے ساتھ ناروا سلوک وحقارت کو بیان کیا ہے حتی کہ بعضوں کی جرأت؛قتل کی صورت میں ظاہر ہوئی جسے قرآن کریم نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے:بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (بقرۃ:۶۱)،وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ (آل عمران:۲۱اور:۱۲۱)،وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ (مائدۃ:۷۰)،تفسیر مظہری(۱/۷۶)میں ہے کہ؛یہودیوں نے ایک دن میں ۷۰ انبیاءقتل کئے،قتل النبی لا یکون الا بغیر الحق روی ان الیھود قتلت سبعین نبیا فی یوم واحد أول النھار (لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا روئے زمین پر بیک وقت ۷۰ انبیاء موجود تھے:راقم)،حضرت مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن کے اندر سورہ بقرۃ:۶۱ کی تفسیر میں ''بائبل'' کے حوالوں کے ساتھ تقریباً آٹھ انبیاء کے قتل کا واقعہ نقل کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء ورسل انسانیت پر ایک احسان ہیں،اور قاعدہ الٰہی ہے کہ اسکی قدروں کی

---

(۲) قرآن مجید؛انسانی زندگی کا رہبر کامل:۱۲۵

ناقدری غضب خداوندی کو دعوت ہے، ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم: ۷)۔

اگر تم نے احسان مانا تو ہم تمہیں اور دینگے اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری مار بڑی ہی سخت ہے۔

چنانچہ بالا آیتوں کی توضیحات سے یقیناً باور ہوجاتا ہے کہ؛ انہی وجوہات کی بنا پر رحمت کریمی کا دروازہ بند کردیا گیا اور بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ کے عذاب کا جام پلایا، جو فترہ انبیاء کی شکل میں تھا۔

عہد جاہلیت اور اقوام وملل

انسانی فلاح وصلاح میں مہمیز لگانے، اسکی کشتی کا رخ درست سمت پر لگانے اور منزل مقصود کی نشاندہی کرنے والی مبارک روحوں کی بے توقیری وناسب رویہ کی وجہ سے انسانیت کو منارۂ توفیق و حیات سے سبکدوش ہونا پڑا، گمراہی و بے وقوفی کی عمیق غار منھ پھاڑے استقبال کرنے لگی، پہاڑوں کی بلندیاں، جنگلوں کی وحشتیں، جانوروں کا طریقۂ حیات مزاج انساں بن گیا، استبداد و ڈکٹیٹر، لوٹ کھسوٹ، ہتک ریزی وآبرو ریزی ان کا شیوہ بن گئی، درد وکرب اور ہمدردی وانسانیت نے رخت سفر باندھا، فقر و فاقہ کی فکر نے بچیوں کو درگور کرنے اور بچوں کو بچپن ہی میں جاں بحق کرنے پر مجبور کردیا، لذت وشہوت، اور بوالہوسی رگ وریشہ میں پیوست ہونے لگی، عزت وناموس کا جنازہ سربازار نکلتا، نخوت وکبر؛ خواہ وہ دولت، قوم یا نسل کی کیوں نہ ہو؛ بام عروج پر تھی، جس کے لئے ایک دوسرے کا گریباں چاک کرنے اور سالہا سال آپسی خون کی ہولیاں کھیلنے کا رواج دامن گیر ہوگیا تھا، معاشرت و حسن سلوک گویا دیومالائی دنیا کی خوشنما مورتیاں تھیں، اخلاق وکردار کا یہ عالم تھا کہ؛ جب زندگی سے تھک جاتے تو راحت وآرام کا سامان شراب نوشی، مے کشی اور خماری سے لت پت ہونے، رقص وسرور کی محفلیں سجانے اور خوبرو دوشیزاؤں کی بدمست اداؤں میں شرابور ہوجاتے، زندگی کے دام فریب میں

ایسے الجھے تھے کہ بسا اوقات پا بجولاں اور دار و رسن و تازیانے کا عادی قیدی بھی نہ ہو۔

واقعہ یہ ہیکہ: یہ حال صرف ایک فرد یا معاشرہ کا نہ تھا بلکہ جاہلیت کی گھٹا ٹوپ تاریکی کا پرتو چہار دانگ عالم پر چھایا ہوا تھا، اور رومی و ایرانی اسوقت مغرب و مشرق کی زعامت اور دنیا کی قیادت کا اجارہ دار بنے ہوئے تھے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ؛ رومی سلطنت میں آپسی انتشار و مذہبی خانہ جنگی اور بے نتیجہ اختلافات کی شورش نے قوی و اعضاء کو مضمحل و شل کر دیا تھا، مدارس و کلیسا لوگوں کے حریف بن گئے تھے، جسکی وجہ سے اجتماعی بدنظمی و معاشی بے چینی نے رہنماؤں اور عوام کو زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنے اور فیشن پرستی و عیش پرستی میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایرانی حکومت تو ہمیشہ غیر فطری، شدید شہوانی رجحان اور نور ظلمت کی مفروضہ کشمکش کا قدیم مرکز تھا؛ حتی کہ جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات دنیا کے معتدل و متمدن علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز و غیر قانونی سمجھتے رہے اور فطری طور سے اس سے نفرت کرتے رہے ایرانیوں کو انکی حرمت و کراہت تسلیم نہ تھی؛ چنانچہ ''یزدگرد دوم'' جس نے پانچویں صدی کے وسط میں حکومت کی، اپنی ہی لڑکی کو زوجیت میں رکھا، پھر قتل کر دیا، ''بہرام چوبیں'' جو چھٹی صدی عیسویں میں حکمراں تھا اس نے اپنی بہن سے ازدواجی تعلق رکھا (۳)۔

پروفیسر ارتھر کرسٹن سین کے بیان کے مطابق: اس قسم کا رشتہ ایران میں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک عبادت اور کار ثواب سمجھا جاتا تھا، مشہور چینی سیاح 'ہوئن سیانگ' کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لئے کسی رشتہ کا بھی استثنا نہ تھا (۴)۔

دراصل یہ صدی حکومت و زعامت کی تخریبی ہی کی داستان نہیں؛ بلکہ اس میں ملت و ادیان کی وہ روشن مشعلیں جن کو انبیاء و رسل نے بلند کیا تھا؛ ایک عرصہ سے عنقا نہیں تو کم یاب یا کہئے کہ نایاب ہو گئیں تھیں، اگر کہیں اسکی ہلکی و مدھم سی امید بھی نظر آتی تو اس میں اتنی بھی قوت نہ ہوتی کہ وہ دوسروں کو

---

(۳) تاریخ طبری: ۳/۱۳۸

(۴) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ۴۹، بحوالہ؛ ایران بعہد ساسان: ۴۳۰

بھی مستفید کر دے یا اپنے ہی خانگی حالت درست کر لے، پوری سوسائٹی وملک میں خال خال اور بعدد انگشت ہی کوئی دین ومذہب کی پاسداری کرتا ہو؛ خواہ برائے نام ہی کیوں نہ ہو۔ ایشیا، یوروپ اور افریقہ مین بسنے والی یہود قوم عنداللہ خاص امتیازات کے باوجود نسل پرستی، بزدلی وحقارت، جلاوطنی، ظلم و استبداد، سودی کاروبار، اخلاقی پامالی، اور کمزور یا مغلوب ہونے پر خوشامد اور غالب ہونے کی صورت میں انتہائی بے رحمی اور بدمعاملگی، دغابازی ونفاق، مفت خوری وحرام خوری اور راہ حق سے لوگوں کو روکنا ان کا قومی کردار بن گیا تھا۔ علاوہ ازیں مسیحیت؛ تو اسکی تعلیمات بہت سادہ اور توحید کا ایک ہلکا سا خاکا تھا؛ لیکن ''سینٹ پال'' کی آمیزش نے اسکی سادگی پر کاری ضرب لگائی اور جہالت و، خرافات، بت پرستی اور مصری افلاطونیت ور ہبانیت کا مجموعہ ہوگئی تھی، ''سیل'' نامی انگریز محقق چھٹی صدی کے عیسائیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

> مسیحوں نے بزرگوں اور حضرت مسیح کے مجسموں کی پرستش میں اس درجہ غلو کیا کہ اس زمانے کے رومن کیتھولک بھی اس حد کو نہیں پہونچے تھے(۵)۔

اسی طرح مجوسیوں کی آتش پرستی نے روحانیت کی فضا مسموم کر دی تھی، اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ان کے باطن پاک، معاشرے کی درستگی اور معاملہ کی اصلاح کرتی، یہ لوگ خواہشات کی نگری کے دست نگر تھے اور من مانی زندگی کے شیدا۔ تو وہیں بودھ مذہب نے برہمنیت میں گم ہو کر اپنا وجود سمندر میں سرکہ کی طرح گم کر دیا تھا، اور ہمیشہ سے ایک دوسرے کے حریف باہم شیر وشکر ہو گئے تھے، انکی سادگی، عزلت پسندی، ور ہبانیت داغدار ہونے لگی تھی؛ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستانی ہندومت کی امتیازی تفریق اور طبقہ واریت (برہمن: یعنی مذہبی پیشوا۔ چھتری: لڑنے والے، ویش: زراعت وتجارت کرنے والے، شودر: جن کا کام دوسروں کی غلامی کرنا تھا) اور حسن پرستی، بتوں کی کثرت، آپسی تفریق وسنگدلی کے بحران کا شکار

(۵) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۴۹، بحوالہ: s/sale's Translation P:62(1896)

تھے، جبکہ مغل، ترک، جاپانی بھی علمی وثقافتی دولت اور سیاست کے منظم وترقیاتی نظام سے بے بہرہ تھے۔غرض یہ کہ ''اس دور میں بڑے بڑے مذہب بازیچۂ اطفال اور منافقین کا تختۂ مشق بن گئے تھے، ان مذاہب کی صورت وحقیقت دونوں اس درجہ مسخ ہوچکی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آکر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ اپنے مذاہب نہ پہچان سکتے (۶)۔

صحف سماویہ اور ان کے ساتھ سلوک

کارخانۂ عالم میں وجود انسانی بحیثیت امین ونگراں کے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (احزاب:۷۲)۔

ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھا تو انہوں نے اسے اٹھانا قبول نہ کیا اور اس سے لرزنے گئے اور انسان نے اسے اٹھایا یقیناً وہ بڑا بے باک بڑا نادان ٹھہرا۔

لہٰذا اس کے متعلق اس سے سوال بھی ہونا ہے، علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن ابی حاتم کی ایک تفصیلی روایت نقل کی ہے؛ جس کی رو سے جب حضرت آدمؑ کے امانت قبول کرنے کے بعد کہا گیا: اگر اس امانت کی ادائیگی میں اطاعت وفرمانبرداری نہیں؛ بلکہ نافرمانی ولاپرواہی کا ثبوت دیا تو اس کے لئے عذاب بھی ہے "قَالَ: يَا آدَمُ، إِنْ أَحْسَنْتَ وَأَطَعْتَ وَرَعَيْتَ الْأَمَانَةَ، فَلَكَ عِنْدِي الْكَرَامَةُ وَالْفَضْلُ وَحُسْنُ الثَّوَابِ فِي الْجَنَّةِ. وَإِنْ عَصَيْتَ وَلَمْ ترْعَها حَقَّ رعايتها وَأَسَأْتَ، فَإِنِّي مُعَذِّبُكَ وَمُعَاقِبُكَ وَأُنْزِلُكَ النَّارَ. قَالَ: رَضِيتُ"(۷) ایسے میں انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کی ہر شئ کا صحیح ومناسب استعمال ہو، جسکی فہم وادراک کیلئے انسان کو عقل

(۶) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۴۰

(۷) تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۹۰، ۴۸۹

سے نوازا گیا؛ لیکن درست مقصد و نہج کے طور پر اسے باقاعدہ دستور حیات بھی عطا کی گئی؛ جب جب انسان وسائل کی ناقدری اور نشیب و فراز کی باریکیوں پر ڈگمگایا اسے تھامتے ہوئے اور مشعل راہ کے طور پر صحیفۂ سماویہ کا سہارا دیا گیا۔

یہ صحیفے سب سے اشرف و بزرگ روح پر نازل ہوتے، جنکی تعداد کے بارے میں شیخ محمود ابو دقیقہ ''مذکرات التوحید'' میں لکھتے ہیں:

> صحف کی تعداد کے متعلق متعدد آثار وارد ہوئے ہیں ان سب سے راجح یہ ہیکہ؛ صحف کی تعداد ۱۰۰ (سو) ہیں جن میں ۵۰ شیثؑ پر نازل ہوئے، ۳۰ ادریسؑ پر، دو ابراہیمؑ پر اور ۱۰ موسیٰؑ پر، لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ سب مواعظ و ارشادات اور مکارم اخلاق کے اپنانے اور رذائل اخلاق سے دور رہنے کے متعلق تھے، جن کا یقینی طور پر علم نہیں کیونکہ اب ایسی چیزیں نہیں ملتیں جو ہمیں علم یقین کا فائدہ دے (۸)۔

ان میں بالخصوص چار کتب سماویہ قابل ذکر ہین: تورات: ''حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی، جو کہ پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد یہودیوں میں بہت سے پیغمبر آئے ان میں حضرت داؤدؑ پر ''زبور'' نازل ہوئی؛ جو نظموں کی صورت میں اللہ کی حمد پر مشتمل ہے، ان کے بعد بھی بہت سارے نبی آئے، ان انبیاء کے صحیفوں اور حالات سے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے، ان سب کو یہودیوں نے مرتب کر کے ایک کتاب کی صورت دی ہے اور اس کتاب کو عہد قدیم (Old testment) کا نام دیا گیا ہے۔

انجیل: حضرت عیسیٰؑ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ انجیل ہے، نصرانی عہد نامہ قدیم کو بھی مانتے ہیں اور اس پر عمل کا دعوی بھی کرتے ہیں، چنانچہ قانون اور شریعت کی کتاب بنیادی طور پر تورات ہی ہے

---

(۸) مذکرات التوحید: ۳/ ۵۵

،انجیل تو تمثیلوں کی صورت میں وعظ کی کتاب ہے، چنانچہ نصرانیوں نے اپنی کتاب انجیل کو عہد نامہ جدید(New testment) کا نام دیا اور دونوں عہد ناموں کو اکٹھا شائع کر کے اسے بائبل قرار دیا، یوں نصرانیوں کے ہاں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید دونوں پر مشتمل مقدس کتاب ''بائبل'' ہے، جو تقریباً ۱۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے(۹)، اور چوتھی کتاب قرآن کریم ہے جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی جو کہ خاتم النبیین اور خاتمۃ الکتب السماویہ بھی ہے۔

واقعتاً یہ روح افزا اور جاں سوز حقیقت ہے کہ پیغام الٰہی کے ساتھ سوائے قرآن کے جاہلانہ و احمقانہ ہی نہیں؛ اس سے زائد خلاف انسانیت سلوک کیا گیا ہے، جیسا کہ تعریفات سے بھی واضح ہے، اس کے معانی و مطالب تو درکنار؛ حروف و الفاظ کے ساتھ بھی چھیڑ خانی و کتر بیونت اور حاشیہ برداری سے کام لیا گیا، قرآن کریم نے جو کہ کتب ماضیہ پر گواہ ہے خود کئی مقامات پر اس خباثت کا ذکر کیا ہے:

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (البقرۃ:۷۵)۔

۔۔جبکہ ان میں کچھ لوگ اللہ کا کلام سنتے ہیں اور پھر سمجھنے بوجھنے کے بعد بھی اس میں تحریف کر دیا کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اور فرمایا:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (النساء:۴۶)۔

جو یہودی ہیں وہ باتوں کو ادھر ادھر کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح سورہ مائدہ آیت نمبر ۱۳ نیز ۴۱ میں بھی یہی مضمون دہرایا گیا ہے، **یحرفونہ** کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نقل کرتے ہیں:

تحریف کا مطلب یہ ہے کہ بات کو اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی

(۹) دیکھئے: امیر حمزہ، ''میں نے بائبل سے پوچھا قرآن کیوں جلے'':۱۸

خواہشات کا اضافہ کر کے کچھ دوسرے معنی پہنا دینا، جو قائل کے منشاء کے خلاف ہو، نیز الفاظ میں تغیر و تبدل کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں ،علماء بنی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الٰہی میں کی ہیں (۱۰)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''قرآن مجید اور بائبل'' کے پیش لفظ میں تحریر کرتے ہیں:

۔۔۔۔۔اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب اور مختلف اہل علم کی تحقیق کے مطابق ان مذہبی صحیفوں میں معنوی تحریفات بھی کی گئی ہیں ،اور جب ترجمہ نے اصل کا مقام لے لیا تو ظاہر ہے کہ ایسی تحریفات کیلئے وسیع مواقع پیدا ہو جاتے ہیں (۱۱)۔

یہی وجہ ہے کہ آج دستیاب تورات، زبور، انجیل منزل زبانوں سے قالب در قالب اپنی زبانوں کا وجود ہی کھو چکے ہیں، بلکہ ہر صدی میں ایک نیا ایڈیشن منظر عام پر آتا ہے، جس میں ان مذاہب کے ٹھیکیدار اپنی خواہشات و مرضیات کا اضافہ کرنے اور اسے دوسروں کے موافق ایڈجسٹ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

بعثت محمدی اور قرآن؛ تعمیر انسانیت کا اعلیٰ نمونہ

چھٹی صدی مسیحی میں وجود انسانی کا یہ دنیاوی قافلہ اپنے تمام تر کروفر، جاہ و حشم کے ساتھ برق رفتاری و تندہی کے ساتھ جہنم کی طرف بڑھ رہا تھا، انسانوں کی انسانیت نیلام ہو چکی تھی، عورتیں مثل ساماں مردوں کیلئے باعث طرب و مزاح اور لذت و شہوت کی دیوی ہو چکی تھی، بسا اوقات اسے میراث میں تقسیم کرنے اور نومولودگی ہی میں مٹی کی گود میں سلا دینے کا رواج عام ہو گیا تھا؛ جس کا قرآن نے بھی ایک

(۱۰) تفہیم القرآن: بقرۃ ۷۵

(۱۱) قرآن مجید اور بائبل، ص: ۳۲

خاص انداز میں تذکرہ کیا: وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (٨) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (٩) (التکویر: دیکھئے: تفسیر السمر قندی) ایسی کسمپرسی ولاچاری اور بر و بحر میں فساد مچ جانے؛ جیسا کہ قرآن کا بیان ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم: ۴۱) ''خشکی اور تری میں فساد بر پا ہو گیا۔'' بلکہ اس کی عین تصویر' وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ''اور تم جہنم کے گڑھے کی ڈھک پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اسی طرح وہ تمہارے لئے آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے (آل عمران: ۱۰۳) یعنی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اگر اسی حالت میں مر جاتے تو جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہوتا'' ای کنتم مشرفين على الوقوع فی نار جهنم لكفركم إذلو أدرككم الموت على تلك الحالة لوقعتم فيها تمثيل لحياتهم التى تتوقع بعد الوقوع فى النار بالقعود على حرفها مشرفين على الوقوع فيها فأنقذكم ''(۱۲)۔

اسی درمیان ازراہے رحمت وشفقت اور احسان کے اللہ رب العزت نے نبی مجتبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا؛ قرآن نے خود کہا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ''(آل عمران: ۱۶۴)۔

بلاشبہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اللہ کی آیتیں انہیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

علامہ سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں:

---

(۱۲) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۲/ ۷۳

المنة الخالصة التی لا یقابلها شیء من جانب البشر (۱۳)۔

کہ یہ وہ منت واحسان ہے جس کا بدل انسان کی جانب سے ہو ہی نہیں سکتا۔

ساتھ ہی تعمیر انسانیت کے لئے دستور حیات اور ضابطہ زندگی کی صورت میں کلام الٰہی یعنی قرآن کریم کی نعمت سے نوازا؛ جس کے اندر اسکی تمام پریشانیوں ومشکلوں اور بے چینیوں کا حل بتلایا، ارشاد ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (یس:۱۲)۔

اور ہر ایک کھلی کتاب میں ہم نے گن گن کر رکھی ہے۔

اور ایک جگہ ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (انعام:۳۸)۔

ہم نے کتاب میں کچھ کمی نہیں کی۔

یہ دو آیتیں ہی نہیں بلکہ؛ انعام:۵۹، یونس:۶۱، ہو:۶، نمل:۷۵، وغیرہ میں بھی یہ مضمون منقول ہے)، اور اسی کی روشنی میں ایک نئے سرے سے شروعات کرنے، اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے، روئے زمین کو فساد وشر سے پاک کرنے، اور اخلاق کریمہ سے اپنے آپ کو مزین کرنے اور اخلاق رذیلہ بالخصوص کبائر سے اجتناب کرنے پر مدخل کریم (جنت) کا وعدہ کیا گیا:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا (النساء:۳۱)۔

اگر تم ان بڑی چیزوں سے بچو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہاری خطاؤں پر پردہ ڈال دینگے۔

اور اسکے ذریعہ روز اول کا وعدہ یعنی عہد الست وخلافت فی الارض "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" (بقرۃ:۳۰) کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی گئی۔

(۱۳) دیکھئے: فی ظلال القرآن؛ ۱/۵۰۷

معاشرتی مسائل، ملکی بے راہ روی اور عالمگیر گمراہی میں ہدایت ونور اور صراط مستقیم کی راہ بتلائی:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام:۱۵۳)۔

اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو تم اسی پر چلو اور راستوں پر مت پڑ جانا کہ وہ تمہیں اسکی راہ سے جدا کر دینگے، یہ وہ چیز ہے جسکی تم کو تاکید کی گئی ہے شاید تم بچ نکلو۔

کم ہمتی وضعف ارادی کے ماروں کو دوسروں کی چالوں سے اپنا من میلا نہ کرنے اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے ''لا تحزن'' کی حوصلہ کن صدا دی گئی، وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ''اور آپ صبر کیجئے اور اللہ ہی کی مدد سے آپ صبر کر سکیں گے اور ان پر غم نہ کھائے اور جو وہ چالیں چلتے ہیں اس سے تنگی میں مت پڑئے'' (نحل:۱۲۷)، اور ساتھ ہی :لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ''اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو'' (زمر:۵۲) کے ذریعہ ہر حال میں امید اور برگ وبار کی تمنا پیدا کی گئی، اس نے اپنے ایک ایک حرف کے ذریعہ پیغام جاودانی دی اور کاروان انسانی کو پھر سے راہ یاب کر دیا، اس کا ایک سرا زمین سے تو دوسرا ملاء اعلی سے منسلک کر دیا، للّٰہیت و طاعت، امام کی سرپرستی اور جماعت کی قدر پیدا کر دی، بے مقصد حیات کو با مقصد حیات بنا دیا، حتی کہ نبی رحمت نے اسے خیر القرون کے لقب سے ملقب کیا: عن مسعود عن النبی ﷺ قال: خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم الخ (۱۴)، امام نوویؒ اسکی شرح میں لکھتے ہیں: کہ پہلی قرن (صدی) حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی ہے، دوسری تابعین کی، تیسری تبع تابعین کی ہے: ''قال النووی رحمہ اللہ الصحیح ان قرنه ﷺ: الصحابة، والثانی: التابعون، والثالث: تابعوهم'' (۱۵)۔

(۱۴) بخاری: ۲۶۵۲، مسلم: ۲۵۳۳

(۱۵) مسلم مع شرح نووی: ۱۶/۸۵

جہاں بعثت محمدی اور قرآن کی اثر انگیزی نے سالہا سال کے تھکے ماندے مسافروں بلکہ کجاوہ تک رکھ دینے والوں میں بھی ایک نئی انرجی وقوت پیدا کردی، پڑوسیوں، رشتے داروں، دوستوں، عورتوں اور تمام متعلقین حیات کا اٹوٹ حصہ اور عمدہ حسن وکردار کے ہار میں پرو دیا اور وہی اولین مخاطب بھی ٹھہرے، اور انہیں لائق اتباع ونمونہ بتلاتے ہوئے خود انکی طرف سے حجت کی، ارشاد ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ (البقرۃ:۱۳)۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تم بھی ایمان لے آو، وہ کہتے ہیں کیا ہم بھی ویسے ہی ایمان لے آئیں جیسے احمق لوگ ایمان لائے ہیں، سن لو! احمق تو یہی ہیں لیکن جانتے نہیں۔

چنانچہ کہہ سکتے ہیں ''زندگی ایسی کہ فرشتے بھی رشک کرتے ہوں'' اور گویا خدا کا یہ کہنا زندہ تصویر ہو: إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ، ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے'' (بقرۃ:۳۰).

وحی (قرآن) کا نزول اور طریقے

واقعہ یہ ہیکہ علم سیکھنے کے جو ذرائع انسان کو عطا ہوئے ان میں اولاً: حواس خمسہ ہیں، دوسرا: عقل اور تیسرا: وحی ہے، ان میں دو ذرائع بہتر زندگی کے حصول کے لئے عموماً استعمال ہیں؛ مگر تمام اہل حل وعقد جانتے ہیں کہ حواس خمسہ اور عقل کی ایک حد ہے اور جہاں اسکی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے وحی کی حد شروع ہوتی ہے۔ وحی دراصل اس کلام کو کہا جاتا ہے: جس میں اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر اسے پیغمبر قرار دیدے، اور اس پر اپنا کلام نازل کرے(۱۶)، وحی ورسالت یہی وہ مقدس سلسلہ تھا جو سرکار دو عالمؐ پر نازل ہوا اور پورا قرآن وجود میں آیا، جسکی مختلف صورتیں تھیں، صحیح بخاری کی ایک

(۱۶) معارف القرآن:۱/ ۲۳

حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام نے آپؐ سے پوچھا؛ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے مجھے یاد ہوجاتا ہے اور کبھی فرشتہ ایک مرد کی صورت میں میرے سامنے آجاتا ہے (۱۷)۔

شیخ محی الدین عربیؒ کا کہنا ہے کہ؛ چونکہ اللہ کی آواز ہر سمت ہوتی اور اسے پہچاننا ایک دشوار کن امر تھا اسی لئے اسکی تشبیہ گھنٹی سے دی گئی تا کہ عام ذہنوں کو سمجھایا جا سکے (۱۸)، وحی کی یہ صورت اماں عائشہؓ کے مطابق سب سے زیادہ بوجھل ہوتی تھی اور سخت سردی میں بھی آپ پسینے سے شرابور ہوجاتے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ: جب وحی نازل ہوتی تو آپ کی سانسیں رکنے لگتیں، چہرۂ انور متغیر ہوکر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے (۱۹)۔ وحی کے اس نزول میں بعض وقت اتنی شدت پیدا ہوجاتی کہ؛ آپ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ بیٹھنے لگتا، ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سر اقدس زید بن ثابتؓ کے زانوں پر رکھا ہوا تھا اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہوا؛ اس سے ان کے زانوں پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی (۲۰)۔

وحی کی دوسری شکل یہ ہوتی کہ فرشتہ انسانی شکل میں آئے، عموماً حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے، وحی کی یہ قسم آپ پر بہت آسان ہوتی تھی (۲۱)۔ وحی کی تیسری صورت یہ ہوتی تھی کہ جبرئیل امینؑ اپنی اصل صورت وکیفیت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ کی عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا، ایک اس وقت جب آپؐ نے خود حضرت جبرئیلؑ کو اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ

(۱۷) بخاری: ۱/۲
(۱۸) خلاصہ: فیض الباری ۱/۱۹۔۲۰
(۱۹) الاتقان للسوطی: ۱/۴۶
(۲۰) زادلمعاد: ۱/۱۸۔۱۹
(۲۱) الاتقان للسیوطی: ۱/۴۶

معراج میں اور تیسری مرتبہ بار نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں مکہ مکرمہ کے مقام ''اجیاد'' پر؛ پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ؛ حضرت جبرئیلؑ کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے اسے اصطلاح میں ''نفث فی الروع'' کہتے ہیں (۲۲)۔اسی طرح چھٹی صورت کہ؛ براہ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک وتعالی سے ہم کلامی ہوئی، یہ شرف آنحضرتؐ کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپؐ اللہ تعالی سے ہم کلام ہوئے ہیں ۔تو وہیں ابتدائی زمانے میں آپ کو رؤیائے صادقہ کے ذریعہ بھی باتیں بتلائی جاتی تھیں (تفصیل کیلئے دیکھئے: الاتقان للسیوطی، مناھل العرفان للزرقانی، البرہان فی علوم القرآن للزرکشی)۔

سچ تو یہ ہے کہ حضورؐ کا سراپا ہی وحی تھا، جس کی گواہی قرآن شرف نے یوں دی:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (۳) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (۴:النجم)

اور وہ خواہش سے نہیں کہتے ،وہ تو صرف وحی ہے؛ جو ان پر کی جاتی ہے۔

اس آیت کے تحت حضرت مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

۔۔۔۔واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی بات اپنی زندگی کے اس نجی پہلو میں بھی کبھی خلاف حق نہیں نکلتی تھی ، بلکہ ہر وقت ہر حال میں آپؐ کے اقوال وافعال ان حدود کے اندر محدود رہتے تھے جو اللہ تعالی نے ایک پیغمبرانہ اور متقیانہ زندگی کے لئے آپؐ کو بتادی تھیں (۲۳)۔

یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے وجود ہی کو مکمل قرآن سے تعبیر کیا گیا یعنی اگر دفتین میں لکھی تحریریں کلام الٰہی ہیں تو حضورؐ روئے زمین پر چلتا پھرتا، متحرک اور حیات انسانی کے قالب میں ڈھلا؛ قرآن ہیں

(۲۲) فتح الباری:۱/۱۸۔۱۹
(۲۳) تفہیم القرآن:النجم

،قصہ مشہور ہیکہ ؛ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے آپؐ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا،تو ام المؤمنین نے ازراہ تعجب فرمایا: کیاتم قرآن نہیں پڑھتے ؟اور فرمایا:

فان خلق نبی اللہ ﷺ کان القرآن (۲۴)۔

یعنی آپ کا حسن کردار سراپا قرآن تھا۔

امام نوویؒ؛اس کا مطلب یہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

معناہ:العمل بہ ،والوقوف عند حدودہ ،والتأدب بآدابہ والاعتبار بأمثالہ وقصصہ،وتدبرہ،وحسن تلاوتہ(۲۵)۔

آپؐ اس پر(قرآن)عمل کرتے ،اس کے حدود پر توقف،اور اسی کے آداب،امثال وقصص اور تدبر وحسن تلاوت سے اپنے آپ کو مزین کرتے۔

ابن رجبؒ لکھتے ہیں :یعنی آپؐ نے اپنے آپ کو قرآن کے آداب واخلاق سے سجالیا تھا، آپ اسی سے راضی ہوتے جس کی قرآن مدح کرتا،اور اسی سے ناراض،جس کی قرآن مذت کرتا،اسی لئے ایک روایت میں ہے،حضرت عائشہؓ کہتی ہیں؛''کان خلقہ القرآن،یرضی لرضاہ،ویسخط لسخطہ''(۲۶)۔

قرآن کریم؛ایک تعارف

قرآن کریم یعنی وہ کلام الٰہی جو نبی اکرم ﷺ پر معناً،لفظاًاور متلواً(تلاوت کی جانے والی) من عنداللہ نازل کردہ ہے؛جسکی تلاوت عبادت ہےاور جو مصحفوں اور سینوں میں محفوظ ہےاور ہم تک بغیر

---

(۲۴) مسلم:۷۴۶،وھکذا:ابویعلی:۸/۲۷۵

(۲۵) شرح مسلم:۳/۲۶۸

(۲۶) جامع العلوم والحکم:۱/۱۴۸،اسی طرح دیکھئے:فیض القدیر للمناوی:۵/۱۷۰،اور بالتفصیل قرآن کی روشنی میں حضورؐ کے اخلاق واطوار کیلئے:احیاءعلوم الدین للغزالی:۲/۴۳۰۔۴۴۲

کسی شک وشبہ کے تواتر اًپہونچا ہے:

كلام الله المنزل على نبيه محمد - صلى الله عليه وسلم - بلفظه ومعناه، المتلو، والمتعبد بتلاوته، والمحفوظ في المصاحف والصدور، والمنقول إلينا نقلاً متواتراً بلا شبهه (۲۷).

قرآن کریم دراصل ''ام الکتاب'' کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، جو پہلے ہی ''لوح محفوظ'' میں موجود تھا، ارشاد ہے: بَلۡ هُوَ قُرۡآنٌ مَّجِيدٌ (۲۱) فِي لَوۡحٍ مَّحۡفُوظٍ ''ہاں یہ قرآن ہے ہی بڑی شان والا، لوح محفوظ میں ہے'' (۲۸)، مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کا لکھا ان مٹ ہے، اٹل ہے، خدا کی اس لوح محفوظ میں ثبت ہے جس کے اندر کوئی رد وبدل نہیں ہوسکتا، جو بات اس میں لکھ دی گئی ہے وہ پوری ہوکر رہنے والی ہے تمام دنیا مل کر بھی اسے باطل کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی (۲۹)۔

پھر لوح محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ ''لیلۃ القدر'' کے موقع پر پورا کا پورا قرآن کعبۃ اللہ کے محاذ پر موجود فرشتوں کی عبادت گاہ ''بیت المعمور'' پر اتارا گیا۔ پھر دوسری مرتبہ حسب ضرورت تدریجاً آپؐ پر تیئیس (۲۳) سال تک نازل ہوتا رہا۔ نزول قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآن کے انداز بیان سے بھی واضح ہیں، اس کے علاوہ نسائی، بیہقی اور حاکم رحمہم اللہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں (۳۰)۔

---

(۲۷) أسماء القرآن في القرآن للأعظمی: ۱-۳

(۲۸) بروج ۲۲، دیکھئے: قرطبی: ۱۹/ ۲۹۸، اللباب فی علوم القرآن: ۲۰/ ۲۵۷

(۲۹) تفہیم القرآن: بروج: ۲۲

(۳۰) الاتقان للسیوطی: ۱/ ۴۱

اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول جو آپؐ کے قلب مبارک پر ہوا ،اس کا آغاز اس وقت ہوا جب کہ آپ کی عمر چالیس سال تھی،اور جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ سے تین میل دور ''وادی عصب'' کی اس پہاڑی کے غار''غار حرا''میں جو جبل النور کی بلندی پر تھا، جسے اس زمانے میں ''جبل الحمراء'' کہتے تھے؛فرط محبت اور عشق الٰہی کا سراپا بنے یاد الٰہی میں محو تھے، بمطابق ۶۱۰ء عیسوی مغرب کا وقت ،رمضان کا مہینہ،اور لیلۃ القدر کی رات تھی،لیکن رمضان کی کونسی تاریخ تھی اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی؛بعض روایات سے رمضان کی سترہویں،انیسویں اور ستائیسویں شب بھی معلوم ہوتی ہے(۳۱)۔

یہی وہ موقع تھا جب پانچ قرآنی آیات کا نزول ہوا جو سورۂ''علق'' کا ابتدائی جز ہیں:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)(علق:۱-۵)۔

پڑھئے اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا،جس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے بنایا، پڑھتے جایئے اور آپ کا پرور دگار سب سے زیادہ کرم والا ہے،جس نے قلم سے علم سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔

اس کے بعد کچھ دنوں تک سلسلہ منقطع رہا جس پر آپؐ افسردہ خاطر ہوئے،یہی وہ زمانہ ہے جسے ''فترت الوحی'' کہا جاتا ہے،اس کے بعد پھر سے وحی کا سلسلہ'' سورہ مدثر''يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَأَنْذِرْ (۲) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۳) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۵)'' کے نزول کے ساتھ شروع ہوگیا؛اب کبھی مکمل سورت تو کبھی مختصر آیت نازل ہوتی ،چنانچہ سب سے بڑی سورت سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوئی اور سب سے مختصر آیت جو مستقلاً نازل ہوئی؛وہ''غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ''(نساء:۹۵) ہے(۳۲)۔

(۳۱) تفسیر ابن جریر:۱/۸۔معارف القرآن؛مقدمہ

(۳۲) ابن کثیر:۲/۱۲۲

قرآن مجید کی ان آیتوں کو آپ سنتے ہی محفوظ کر لیتے اور صحابہ کرام سے باشارہ الٰہی سورتوں کو ترتیب کے ساتھ لکھواتے، یہاں تک کہ آخری وحی بمقام عرفہ شام کے وقت جمعہ کے دن ۹ ذی الحجہ ۱۰ ھجری مطابق ۶۳۲ عیسویں میں نازل ہوئی؛ جو کہ سورہ مائدہ کی آیت "اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" (مائدۃ:۳) ہے، اس طرح پوری مدت نزول ۲۲ سال دو مہینے اور بارہ دن ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی کتابی ترتیب نزول کی ترتیب سے مختلف رکھی گئی ہے، وہ ترتیب سورہ فاتحہ سے شروع ہوکر سورہ ناس پر ختم ہوتی ہے، جو کہ تیس پاروں پر مشتمل ہے، قرآن مجید میں بالترتیب ۱۱۴ سورتیں مدون کی گئی ہیں، جن میں مکی (جو ھجرت سے قبل نازل ہوئیں) سورتوں کی تعداد ۸۶ اور مدنی (جو ھجرت کے بعد مدنی دور میں نازل ہوئیں) ۲۸ ہیں، قرآن مجید میں ۶۶۶۶ آیات کریمہ موجود ہیں اور اس میں کلمات کی تعداد ۷۷۴۳۹ ہیں جبکہ حروف کی تعداد ۳۲۳۹۳۷ ہیں، اسی طرح اس میں ۵۵۸ رکوع اور سات منزلیں ہیں (۳۳)۔

قرآن کی حفاظت کا ابدی نظام

بلاشبہ بہت سے آسمانی صحیفے انسانوں کو عطا کئے گئے؛ لیکن وہ ضائع ہو گئے، شاید اسکی ایک وجہ یہ تھی کہ: وہ صحیفے وقتی اور علاقائی تھے، ان میں تا قیامت مسائل کا حل نہ تھا، تو وہیں اسکی حفاظت کی ذمہ داری اس کے متبعین پر عائد کردی گئی تھی، جو بہر کیف انسان تھے: جن پر شیطان کا بھی غلبہ ہوتا ہے، ایسے میں اسکی حفاظت دشوار کن بن گئی؛ لیکن یہ صرف قرآن کریم کا اعزاز و اعجاز ہی ہے کہ؛ اسے ہر دو کمزوریوں سے بالاتر رکھا گیا، اولاً: اسے تا قیامت برآمدات، نت نئے مسائل کا متحمل بنایا اور فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً

(۳۳) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الاتقان للسیوطی: ۱/ ۴۲، مناھل العرفان للزرقانی: ۱/ ۱۷۶۔ اور دیکھئے: قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل: ۱۵۳ وغیرہ۔۔ اور معارف القرآن: مقدمہ

وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ (۸۹) (نحل)

اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری جس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت ورحمت اور بشارت ہے۔

علامہ شعراویؒ لفظ ''تبیاناً'' اور ''شئ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: اس سے مراد انسان کی تمام ضرورتیں ہیں: تبياناً: أي بياناً تاماً لكل ما يحتاجه الإنسان، وكلمة (شيء) تُسمّى جنس الأجناس. أي: كل ما يُسمّى «شيء» فبيانُه في كتاب الله تعالى.(۳۴)۔

تو دوسرے: اللہ نے خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (۹) ''ہم ہی نے اس نصیحت نامہ (قرآن) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' (سورۃ: حجر)، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(کہ نہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے مٹنے دیں گے نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دیں گے۔) ثبوت دلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعوی کہ یہ لفظ بہ لفظ کلام الٰہی ہے آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں قرآن اس دعوے میں بالکل منفرد ہے، دوسری کتابوں سے متعلق دعوی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے اندر مغز وروح خدائی تعلیم کی آگئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمام تر غیر معصوموں کی ہیں، اور ان کی عبارتیں صرف خاصان خدا کی لکھی ہوئی ہیں، قرآن مجید کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل اور پھر شروع ہی سے دھڑلے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجزہ و دلیل اس کے کلام الٰہی

(۳۴) دیکھئے: تفسیر الشعراوی ۱۳/ ۸۱۴۸

ہونے کی ہے، دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کر نے سے عاجز ہیں جو ساڑھے تیرہ سو سال (اب تقریباً ساڑھے چودہ سو سال: راقم) اپنے الفاظ، حروف نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آرہی ہو (۳۵)۔

قرآن کریم کی حفاظت ہی کے پیش نظر جا بجا حکمت خداوندی نے اس کا انتظام بھی فرمایا ؛چنانچہ منقول ہے کہ؛ نزول وحی کے وقت آپؐ فوراً ہی ان آیات کو دہرانے لگتے تھے تا کہ وہ یاد ہو جائیں ،اس پر سورہ ''قیامۃ'' کی آیات:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (۱۶) إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (۱۷) فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (۱۸) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۱۹) (سورۃ: قیامۃ)۔

آپ اس (قرآن کو پڑھنے) میں جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، پھر جب ہم (جبرئیل کی زبانی) اس کو پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ رہیں، پھر اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے۔

یعنی اللہ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ: عین نزول وحی کے وقت یاد کرنے کے لئے جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ آپ میں ایسا حافظہ ودیعت کر دیگا کہ آپ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد اسے بھول نہیں سکیں گے، مفسرین نے بھی یہی نکتہ بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ فی صدرِك بحيثُ لا يذهبُ عليكَ شيءٌ مِنْ معانيهِ وقرآنه أی إثباتَ قراءتِه فی لسانِكَ.....ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ أی بيانَ ما أشكلَ عليكَ من معانيهِ

(۳۵) تفسیر ماجدی: سورۂ حجر:۹

وأحكامه(٣٦)۔

اس قرآن کو آپ کے سینہ میں محفوظ کرنا اور اس کی قرأت ومعانی کو آپ کی زبان پر جاری کر دینا ہماری ذمہ داری ہے، اور ہم ہی اس پر وارد معانی واحکام کے اشکال کی وضاحت کرنے والے ہیں۔

اس طرح سرکار دوعالمﷺ کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا(٣٧) اور گنجینۂ محفوظ سے سینہ درسینہ محفوظ ہوتا گیا، اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا جوش ولگن کا عالم یہ تھا کہ ہر شخص ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ: وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دینگے، سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کیلئے وقف کر دی تھی، وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے تھے(٣٨)۔

یہی وہ متبرک طریقۂ حفظ قرآن ہے، جس کا سلسلہ آج تک جاری وساری ہے اور اس کے تئیں محبت و وارفتگی ہی ہے کہ لاکھوں نہیں، کروڑوں ہر زمانے میں اس کے حافظ ہوتے ہیں، ہر علاقہ، ملک، شہر وقریہ اور اکثر گھرانے حفظ قرآن سے شاداں ہیں، ایسے میں اگر کسی نے بھی دانستہ یا غیر دانستہ لفظ وکلمہ تو دور، حرکات وسکنات کی بھی غلطی کر دی تو اسے ٹوکنے والے اور نکیر کرنے والے بڑی تعداد میں موجود ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے بھی دل ہی کو اصل محافظ قرآن تسلیم کیا ہے، جہاں سے اسے نہ مٹایا جا سکتا ہے اور نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے: ای :**هو محفوظ فی القلوب۔۔۔ لا يلحقه خطأ ولا تبديل** (٣٩)، پھر کیا مجال کہ کوئی باطل طاقت اپنے ناجائز مقصد کی برآوری کر سکے، یا دو پیادے ملا اسکی طرف گوشۂ چشم بھی کر سکیں۔

(٣٦) دیکھئے: ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم المعروف: بتفسیر ابی سعود ٩/ ٦٧۔ تفسیر قرطبی: ١٩/ ١٠٦

(٣٧) فتح الباری: ٩/ ٣٦

(٣٨) مناهل العرفان ١/ ٢٣٤

(٣٩) البحر المحیط فی التفسیر ١٠/ ٤٤٧

اسی طرح قرآن مجید کے لکھنے اور اسے خطہ خطہ پہونچانے کا بھی بخوبی غیبی نظام کر دیا گیا ہے، یہ بات ضرور ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں لکھنے، پڑھنے کا اتنا رواج نہ تھا، وہ حافظہ پر ہی اعتماد کرتے تھے جوان کے شایان شان بھی تھا؛ لیکن آپؐ نے کاتبین وحی کی ایک جماعت تشکیل دی تھی جن کا کام وحی الٰہی لکھنا تھا ،''ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ: جبرئیلؑ حضور ﷺ کو قرآن مجید لکھواتے تھے'' (آپؐ صحابہ کرام کو املا کراتے تھے کیونکہ آپؐ امی تھے: راقم)۔ پھر آپ کی لکھائی سورتوں اور آیتوں کو پوری حفاظت اور احتیاط کے ساتھ اسی ترتیب سے جو اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو بتلائی گئی تھی متعدد نسخوں میں خلافت صدیقی پھر خلافت عثمانی میں پوری امانت و اہمیت کے ساتھ مختلف علاقوں میں بھیج دیا گیا، اور اس طرح مکمل مستحکم طریقہ سے یہ جامع کتاب ہدایت؛ عام علاقوں میں پھیل گئی، اور قدرتی طور پر قیامت تک اس کے باقی رکھنے کا انتظام بھی ہو گیا(۴۰)۔

اسماء قرآنی: ایک معجزہ

قرآن کریم نہ صرف معلومات، ہدایات اور مجمع احوالات سے مالا مال ہے بلکہ یہ اپنے اسماء کے طور پر بھی مالا مال ہے، یا یوں کہئے کہ معجزہ ہے، مشہور مفسر و مؤرخ جلال الدین سیوطیؒ جنکی تصانیف کی تعداد ۵۶۱ سے متجاوز بتلائی جاتی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن ۱/ ۱۷۸ و بعدھا'' میں ابوالمعالی عزیزی بن عبدالملک المعروف ''بشیذلۃ'' کی کتاب ''کتاب البرھان'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: اللہ رب العزت نے خود قرآن کریم کے ۵۵ نام بتلائے ہیں، تمام اسماء بالتفصیل اسکے وجوہات اور خاصیات کے ساتھ بالخصوص قرآنی آیات کی دلیلوں کے ساتھ مذکور ہیں، یہاں صرف وہ نام پیش کئے جاتے ہیں:

الکتاب، المبین، الکلام، الفرقان، القرآن، الکریم، الحکیم، العظیم، النور، التنزیل، الموعظۃ، الحکمۃ، الھدی، الخیر، البیان، النعمۃ،

(۴۰) دیکھئے: قرآن مجید؛ انسانی زندگی کا رہبر کامل ۱۴۵۔ معارف القرآن: مقدمہ

الروح، الرحمن، المبارک، المصدق، الحبل، العلم، الصراط المستقیم، الوحی العربی، الحق، الهادی، العجب، العروۃ الوثقی، الأمر، الرحمۃ، الصحف، المکرم، المطهرۃ، المرفوعه، البصائر، احسن الحدیث، متشابهاً، مهیمناً، علیاً، منادیاً، قیم، قولاً وفصلاً، ذکراً، ومثانی، بشری، مجیداً، زبوراً، بشیراً، نذیراً، عزیزاً، بلاغاً، وحیاً، قصصاً، تذکرۃ، صدقاً۔

ساتھ ہی ۴۵ نام اور بھی ذکر گئے ہیں جن میں سب سے زیادہ لفظ ''قرآن'' لغوی ومعنوی اعتبار سے معروف ومتعارف ہے، قرآن کریم میں ۶۳ مقامات پر اس کا ذکر ہے، دراصل یہ لفظ محض صفاتی یا توصیفی نہیں بلکہ اللہ کا پسندیدہ اور بیان کردہ نام ہے، کئی مقامات پر لفظ قرآن اسرار ومعانی کے ذخائر کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: قرآن مجید میں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ أُنزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاس '(بقرۃ:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اتارا گیا جو انسانوں کے لئے راہ ہدایت ہے۔

اس آیت کے تحت ''اسماء القرآن فی القرآن للاعظمی ۱/ ۳'' میں ہے کہ: لفظ قرآن سب سے معروف ومشہور اسماء میں سے ہے اور ان اسماء میں سے ہے جو کسی اور کتاب کے لئے نہیں جیسے ''جلالۃ'' کسی شخص کا نام نہیں۔ امام شافعیؒ اس لفظ کے بارے میں کہتے ہیں کہ: یہ غیر مشتق ہے اور اس لفظ کو بالتسہیل پڑھتے ہیں جیسے [القُرآن]، بعضوں کا کہنا ہے کہ: یہ فعل ماضی ''قرأ'' سے مشتق ہے اور قرآن اس کا مصدر؛ جس کو بطور نام استعمال کیا گیا ہے ..... جو کہ عرب میں مستعمل تھا مثلاً: رَعد، ووَعد، وسَعد، وتغرید، سداد.. الخ.

لغت عرب میں قرآن کے دو معنی بتائے گئے ہیں؛ ایک یہ کہ: لکھے ہوئے حروف والفاظ کا تلاوت کرنا اور اس کو اسی ہیئت کے مطابق ادا کرنا..... دوسرا بمعنی جمع ہے، یعنی ایک دوسرے سے

ملانا،(اور قرآن میں یہ دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں: راقم)ولفظ القرآن أشهر من أن يشار لمواضع وروده فی آیاته وسوره. ولم يسمَ به كتابٌ آخر، كلفظ الجلالة - الله - لم يسمَّ به أحد من البشر. وقال الإمام الشافعي - رضى الله عنه - عن هذه اللفظة: إنّها اسم غير مشتق، وتقرأ بالتسهيل.. [القُرَآن] - هكذا قال فی الرسالة - رضى الله عنه - وقال آخرون: هو مشتق، فالقرآن... مصدر من الفعل الماضی [قرأ].. وهذا المصدر أصبح اسماً علماً على كلام الله..... على أنَّ اتّخاذ المصدر اسماً علماً ليس بمستغرب فی لغة العرب، وإن ارتبت فدونك: رَعد، ووَعد، وسَعد، وتغريد، سداد.. الخ.

وقرأ - فی لغة العرب - لها معنيان:

الأول / قرأ: بمعنى تلاوة وتلفظ الحروف المرسومة، والنطق بها على هيئتها التی كتبت بها. وقد تطلق على مجرد التلاوة من الحافظة. الثانی/ قرأ: بمعنى جمع، وضم شيئاً إلى شئ آخر.

لفظ ''قرآن'' کا تذکرہ ایک جگہ یوں آیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً (الفرقان: ۳۲)

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن یکبارگی پورا کیقوں نہیں نازل کیا گیا، اس طرح تدریجاً اس لئے ہم نے نازل کیا ہے تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں، اور اسی لئے ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا (یونس: ۶۱)

اور آپ خواہ کسی حال میں ہوں، اور من جملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور اسی طرح اور لوگ بھی جتنے ہوں، تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا (بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا، تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

فرمان خدا ہے:

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ (طہ:۱۱۴)۔

سو اللہ تعالی جو بادشاہ حقیقی ہے، بڑا عالیشان ہے اور قرآن پڑھنے میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے، عجلت نہ کیا کیجئے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (فرقان:۳۰)۔

اور اس دن رسول کہیں گے اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ (قصص:۸۵)۔

جس خدا نے آپ پر قرآن کے احکام پر عمل اور اسکی تبلیغ کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو آپ کے اصلی وطن یعنی مکہ میں پھر پہونچائے گا۔

طس تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَ كِتَابٍ مُبِينٍ (۱) هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ (۲)، (نمل)۔

طس، یہ آیتیں جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں، آیتیں ہیں قرآن کی، یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری سنانے والی ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ، (روم:۵۸)۔

اور ہم نے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں۔

خصوصیات قرآن اور تعمیر بنی نوع

صحف سابقہ کی خصوصیات و امتیازات اور تعمیر بنی نوع میں حصہ داری کی بات کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ: ان صحف میں جو خصوصیات تھے، وہ اپنے علاقے اور ضرورت پر ہی محدود تھے، لیکن قرآن کریم کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ؛ یہ جمع الجموع ہے، تا قیامت اس کے لئے علاقہ بندی، گٹ بازی، وطن پرستی، سرحد بندی کوئی معنی نہیں، اس کے اندر ابراہیمی جفاکشی، داؤدؑ و سلیمانؑ کی سیاست و حکومت، موسیٰؑ کی فوجداری و طغیانی لہروں سے پنجہ آزمائی، عیسیٰؑ کی وعظ و پند، یہ تمام چیزیں معجون مرکب کے مثل قرآن میں جمع ہوگئی ہیں اور اس کا نزول دنیا کی سب سے بزرگ و برتر ذات پر ہوا، یعنی ذات محمدیؐ پر جو وقت کے سب سے فصیح و بلیغ قوم سے تعلق رکھتے تھے، ارشاد باری ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۲:یوسف)

ہم نے اس کو عربی (زبان کا) قرآن اتارا ہے تا کہ تم سمجھ سکو۔

اور اس انداز میں اترا کہ اگر کوئی نثر کا ماہر نثر میں، شاعر شعر میں اور قصہ گو قصہ گوئی میں

مقابلہ کرنا چاہے؛ تو وہ اسکی خاک پا کو بھی نہیں پا سکتا، اللہ نے اس کے اندر حلاوت و چاشنی اتنی بلند و برتر رکھی گویا کانوں میں رس گھولنے والی ہو؛ بسا اوقات ناسمجھ و نابلد جو عربی کی ''ع'' سے بھی واقف نہ ہو ؛سن کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے، اسکی تاثیر صاف و شفاف قلب وجگر پر ایسی ہوتی ہے کہ ''وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ '' (انفال:۲، حج:۳۵) کہہ کر تعبیر کیا گیا، انسانوں کی آزمائشوں اور اسکی خواہشات نفسانی واندرون روزن پر کاری ضرب لگاتا ہے؛ چونکہ انسان مال کا بہت زیادہ حریص واقع ہوا ہے، جسکی گواہی قرآن نے یوں دی ہے: وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ''اور مال سے محبت تمہاری گھٹی میں پڑی ہے'' (الفجر:۲۰) أی: تحبون جمعه حُبًّا جَمًّا (۴۱)؛ ایسے میں اس کا ملوث اپنا محاسبہ کرنے اور حقیقت شناسی پر مجبور ہوجاتا ہے، اور اپنی غفلت وانجام ایک دوسرے سے مقابلہ میں انہا کی اور موت کو سامنے دیکھ پشیماں ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (۱) حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۲) كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (۳) ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (۴) كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ (۵) لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ (۶) ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ (۷) ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (۸) (التکاثر:۱ تا ۸)۔

(دنیا میں) ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے (کی ہوس؛ مال اور بچوں میں) تمہیں غافل کئے رکھتی ہے، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہونچتے ہو، ایسا ہرگز نہیں چاہئے، جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا پھر (سن لو!) ایسا ہرگز نہ چاہئے ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، خبردار! کاش کہ تم علم یقین کے ساتھ جانتے، تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے، پھر تم اس کو بالیقین کے ساتھ دیکھ لو گے، پھر اس دن تم نعمتوں کے بارے میں سوال ہو کر رہے گا۔

(۴۱) دیکھئے: زاد المسیر فی علم التفسیر ۴/ ۴۴۴

اسکی خودغرضی اور شتر بے مہار زندگی ،اپنے رب سے بغاوت ،اسی طرح دوسروں کے ساتھ نا انصافی ،یتیموں ومسکینوں کے ساتھ ناروا سلوک کو ایسے بیان کرتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا لرزہ براندام ہوکر اپنے قدموں کو تعمیر کے لئے موڑ لے!،سورۂ ماعون کی یہ آیتیں پڑھ کر دیکھیں:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ (١) فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ (٢) وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (٣) فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ (٤) الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (٥) الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ (٦) وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (٧)

کیا آپ نے اس کو دیکھا جو بدلہ (کے دن) کو جھٹلاتا ہے، بس وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پر آمادہ نہیں کرتا، تو ایسے نماز پڑھنے والوں کے لئے بربادی ہے، جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں، جو دکھاوا کرتے ہیں، اور معمولی دینے میں بھی رکاوٹ ڈالتے ہیں (۴۲)۔

انسانی عادات واطوار کی تصویر سازی اور اسکی تخلیق عالی سے لیکر اسفل سافلین کا سفر اور ان میں فائزین کو ایسے بیان کرتا ہے کہ؛ بلا تأمل مؤثرانہ طور پر جبیں سجدہ ریز ہوجائے:

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ (١) وَطُورِ سِينِينَ (٢) وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (٣) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (٤) ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (٥) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (٦) فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ (٧) أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (٨)

قسم انجیر کی اور زیتون کی، اور طور سینا کی، اور اس امن والے شہر کی، ہم

(۴۲) دیکھئے: تفسیر ابن عطیہ: ۵/۵۲۸

نے انسان کو بہترین سانچے میں (ڈھال کر) پیدا کیا ہے، پھر ہم نے
اس کو نیچوں سے نیچا گرادیا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور
انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

عرب جو کہ جفاکش، دلیر وشجاع اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہونے والے تھے، جن کے لئے ان کا گھوڑا دل وجان سے عزیز ہوتا، اسکی نسلیں اور اس کے اسماء زبان زد ہوتے، جنگ وجدل کے دلدادہ، چابکدستی وہوشیار مندی، ساتھ ہی میزبانی ومہمان نوازی، قومی غیرت وحمیت اور اس کی وجہ سے بھڑکنے والی آگ؛ صدہا سال پورے عرب کو لپیٹے رہتی؛ اللہ تعالی نے معجزانہ انداز میں انکی انہیں باتوں کو ''سورۂ عادیات'' کے اندر ایسے پیش کیا کہ وہ خود انگشت بدنداں رہ گئے، جس میں نہ صرف انکی بہادریوں کا تذکرہ ہے بلکہ انکی ناشکری اور انسانی فطرت کی لئامت کو کھول کر بیان کردیا ہے، ملاحظہ کریں:

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا (١) فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا (٢) فَالْمُغِيرَاتِ
صُبْحًا (٣) فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا (٤) فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا (٥) إِنَّ
الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (٦) وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ (٧) وَإِنَّهُ
لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (٨) أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ (٩)
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ (١٠) إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ (١١)

ان گھوڑوں کی قسم جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں، پھر (اپنی ٹاپوں سے) چنگاریاں اڑاتے ہیں، پھر صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں، تو اس سے غبار اڑاتے جاتے ہیں، پھر اسی کے ساتھ فوج کے درمیان گھس جاتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا حد درجہ ناشکرا ہے، اور یقیناً وہ اس پر گواہ بھی ہے اور بلاشبہ وہ مال کا بڑا متوالا ہے، کیا اس کو پتہ نہیں کہ قبروں میں جو کچھ ہے وہ سب اتھل پتھل کر دیا جائے گا، اور سینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب ظاہر کردیا جائے

گا، یقیناً ان کا رب اس دن ان کی پوری خبر رکھتا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ شجاعت و دلیری کے اس اعلیٰ معیار کے باوجود حقیر و رذیل معبودوں کے سامنے جھکنے اور ناک رگڑنے کی کیفیت اس بلیغانہ انداز میں عرض کی کہ: سوچنے، سمجھنے اور اپنے مقام کی بقا کی فکر لامحالہ طور پر لاحق ہوگئی:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (حج:۷۳)۔

اے لوگو! ایک مثال دی گئی ہے تو اسے غور سے سنو، جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے خواہ وہ سب اس کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کی کوئی چیز لے اڑے تو اس سے چھین بھی نہیں سکتے، لچر ہے ایسا منگنے والا بھی اور وہ بھی جس سے مانگا جا رہا ہے۔

یہ قرآن کریم ہی کا امتیاز ہے کہ قارئین و سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی حیثیتوں کو بھی ملحوظ رکھتا ہے مثلاً: سربلندی کے لئے الگ الگ مضمون اختیار کرنے والا لفظ جب رضائے الٰہی کے خلاف ہونے کے لحاظ سے استعمال کیا جائے جیسے: ''فرعون'' تو ''علا'' کا لفظ اختیار کیا گیا، جس کا ماضی علا تو مضارع یعلو ہے ''ان فرعون علا فی الارض'' یعنی فرعون نے سربلندی اختیار کی، اس میں اشارہ ہے کہ نافرمانی اور ظلم کے ساتھ ''علا فی الارض'' استعمال کیا جاتا ہے، جس کا مصدر علو اور فاعل عالی ہے لیکن اسی لفظ کو رضائے الٰہی کی خصوصیت والے مفہوم میں استعمال کیا تو علا سے علی استعمال کیا؛ جس کا مصدر علا اور فاعل علی ہے (۴۳)۔

(۴۳) آن مجید: انسانی زندگی کا رہبر کامل

قرآن مجید کی انہیں حکیمانہ اور بلیغانہ انداز کی وجہ سے جو کوئی بھی سن لیتا تو مبہوت ہو جاتا، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا قصہ قابل غور ہے، جن پر قرآن کی چند آیتوں کی جھنجھناہٹ ہی نے وہ اثر کیا کہ اسلام پر غور کرنے اور اس کے سننے پر بیتاب ہو گئے تھے، ایسا قطعاً نہیں ہے کہ؛ صرف اس کے سمجھنے والے پر ہی سننا کارگر ہے بلکہ عصر حاضر میں بہتیرے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں، جنہوں نے ثابت کیا کہ محض اس کی سماعت بھی دلوں کو موہ لینے اور زندگی کی کایا پلٹ کر دینے کے لئے کافی ہے، صریح مثال قریب دور میں مریم جمیلہ کی دی جاسکتی ہے، یہ بھی ایک سچ ہے کہ ہم دنیا میں نہ جانے کتنی چیزوں سے بغیر کسی سمجھ بوجھ کے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایسے میں قرآن اپنے فیوض سے کیوں کر محروم رکھے؟ (۴۴)۔

حقیقت یہ ہیکہ قرآن کریم انسانیت کے لئے گراں قدر تحفہ اور نعمت بے بہا ہے جو اسے میسر ہوئی، ورنہ اس کی عظمت و تقدس کا عالم اور اس کی تاثیر وحکمت اور احکام کا بوجھ تو یہ تھا کہ زمین و آسمان، فرشتے اور تمام مخلوقات اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے، ایسے میں اللہ نے صرف انسان ہی کو اس قابل بنایا کہ؛ کلام ربانی کا فہم وادراک اور استفادہ کر سکے اور وہی حاملین رسالت خداوندی ہو ارشاد ہے:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (حشر: ۲۱)۔

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے دبا جارہا ہے، پھٹا پڑتا ہے، اور یہ وہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے سامنے اس لئے دیتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

غالباً اس سلسلہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علم کا نہ ہونا تھا، کیونکہ تمام مخلوقات خداوندی خدا کی حمد وثنا کے سزاوار تھے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

(۴۴) دیکھئے: قرآنی افادات: علی میاںؒ

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (حج:۱۸)۔

کیا تجھے خبر نہیں اللہ ہی کو (تسلیم) سجدہ کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور سورج، چاند، ستارے، درخت اور چوپائے اور کثرت سے انسان بھی، اور بہتوں پر عذاب بھی ثابت ہوگیا ہے، جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہے کرے (۴۵)۔

لیکن نوع انسانی ہی وہ مخلوق بنی جس کے اندر حمد وثنا کی خصوصیت کے ساتھ علم بھی ودیعت کی گئی: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (بقرۃ:۳۲) ''اور اس نے آدم کو تمام نام (علم) سکھا دئے''، الرَّحْمَنُ (۱) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (۲) خَلَقَ الْإِنْسَانَ (۳) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (رحمن:۴)۔ ''وہی رحمن ہے، جس نے قرآن (پڑھنا لکھنا) سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اس کو بات واضح کرنے کی تعلیم دی''۔ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق:۵) ''انسان کو وہ سکھلایا جو وہ جانتا نہ تھا''؛ یہی وجہ ہے کہ جب سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تو بجائے کسی سیاسی، معاشی ومعاشرتی اور حکومتی سطح پر بات کی جاتی؛ بلکہ ایک کلیدی حکم دیا گیا کہ: ''اقرأ'' یعنی پڑھو، علم حاصل کرو، اور پھر اسکی فضیلتیں وعظمتیں کھول کھول کر بیان کی گئیں، فرمایا:

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر:۹)۔

بھلا کیا (وہ اس کے برابر ہوسکتا ہے) جو رات کے مختلف حصوں میں

(۴۵) خیال رہے اس مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن میں مذکور ہیں جیسے: نحل:۴۹۔۵۰، رعد:۱۵، رحمن:۵۔۶، ابراہیم :۳۲۔۳۴، بنی اسرائیل:۴۴، نور:۴۱۔

بندگی میں لگا ہو (کبھی) سجدہ میں، (کبھی) قیام میں ہو، اور آخرت کا ڈر رکھتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو، پوچھئے کہ کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں، یقیناً نصیحت تو عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

اور فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر:۲۸)۔

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

حتی کہ اس میں معاون وممد قلم کو بھی بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا اور اسکی قسم تک کھائی گئی؛ کیونکہ قلم وہ شئ گراں مایہ ہے جو انسان کے لئے علوم وفنون کے نئے نئے دریچے کھولتا ہے: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (القلم:۱) ''ن، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے ہیں'' یہی وہ نسخہ کیمیا تھا جس نے انسانوں کو قرآن جیسی عظیم کتاب اور پیغام کا حامل بنا دیا۔

چونکہ انسان کی فطرت ''ظلوم وجھول'' بنائی گئی ہے: وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (احزاب:۷۲) اسی لئے خدا کے ان عطیات کے باوجود جو اس کے ادرک سے بالاتر تھے، جس کا ایک بڑا حصہ قرآن کریم میں مذکور ہے، جنہیں ''مغیبات'' کہہ سکتے ہیں، اس کا بھی علم دیا:

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (هود:۴۹)۔

یہ غیب کی وہ خبریں جو ہم آپ کو بھیج رہے ہیں نہ اس سے پہلے آپ اس کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، تو آپ ثابت قدم رہیں بلا شبہ نتیجہ پرہیزگاروں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن عناد وسرکشی کی خماری یہ کہ کلام الٰہی کو عام کلام سمجھنے اور اپنی فصاحت وبلاغت پر اترانے سے باز نہ آئے؛ ایسے میں قرآن نے بھی اعجاز بیان وعلم پر چیلنج کیا:

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ(قصص:۴۹)۔

آپ کہئے اگر تم سچے ہی ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا۔

اس کے باوجود یہ اس کا اعجاز اور اسی کی خصوصیت ہے کہ اسے اصلاح وتزکیہ اور نصح ونصائح اور تعمیر بنی نوع کیلئے بہت ہی آسان وسہل بنایا گیا، جس سے ہر کس وناکس ادنی سی محنت سے مستفید ہوسکتا ہے :وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (۱۸) (قمر:۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان رکھا ہے''مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جہاں اس کے آسان وسہل ہونے کی بات کہی وہیں ابن عباسؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے انسانوں کے لئے اسے آسان بنادیا ورنہ کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ اللہ کی زبان سمجھ سکے یا بول سکے:

(ولقد يسرنا القرآن للذكر) أي سهلناه للإدكار والإتعاظ، بأن وشحناه بأنواع المواعظ والعبر الشافية، وصرفنا فيه من الوعد والوعيد، يحفظه الصغير والكبير، والعربي والعجمي وغيرهم. قال ابن عباس: لولا أن الله يسره على لسان الآدميين ما استطاع أحد من الخلق أن يتكلموا بكلام الله.

امام دیلمیؒ نے حضرت انسؓ سے مرفوعا نقل کیا ہے کہ: اس کے آسان ہونے کی بات تو اللہ نے قسم کھا کر کہی ہے: وتالله لقد سهلنا القرآن لقومك، (۴۶)، لیکن یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کے اسرار وحکم صرف خواص پر ہی کھلتے ہیں، اور وہی مسائل میں استدلات اور استنباط کرتے ہیں:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي

(۴۶) دیکھئے: فتح البیان فی مقاصد القرآن ۱۳/ ۲۹۵

الدِّین(توبہ:۱۲۲)۔

تو کیوں نہ ہر طبقہ میں سے ایک جماعت نکل پڑے تا کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرے۔

علامہ قطان نے لکھا ہے کہ: یہ وہ صنف ہے، جو امت کے بعض گروہوں پر واجب ہے بلکہ جہاد سے بھی افضل ہے:

ان هناك واجباتٍ اخرى مهمة غير الجهاد يجب على المؤمنين ان يقوموا بها، وذلك ان ينفِرَ من كل بلد او قبيلة جماعة يأتون الى رسول الله ليتفقّهوا فى الدين ثم يعودوا الى قومهم فيرشدوهم ويعلّموهم ليثبتَ هؤلاء على الحق، ويعلموا الباطل فيجتنبوه(۴۷).

خواہ اس آیت کے اندر چند لوگوں کو ہی مستثنیٰ کیا گیا ہے؛ مگر من عنداللہ ایک خاص سند یوں دی گئی ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين(۴۸)۔

اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

فدل على ان الفقه ماوزع عن محرم ،او دعا الى واجب، وخوف النفوس مواقعه ،المحظورة(۴۹)۔

اللہ اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ فقہ کے ذریعہ محرمات سے بچنے لگتا

---

(۴۷) دیکھئے: تیسیر التفسیر للقطان: ۲/۱۷۶

(۴۸) بخاری:۷۱، مسلم:۱۰۳۷

(۴۹) الفتاوی الکبری:۶/۱۷۱، دیکھئے مجموع الفتاوی: ۲۰/ ۲۱۲، اور مجموع فتاوی ابن باز: ۹/۱۲۹۔۱۳۰

ہے اور دوسروں کو واجبات کی دعوت دیتا ہے اور انکے نفوس کو
محظورات میں پڑنے سے بچانے لگتا ہے۔

نظریۂ توحید؛ انسانیت کا لازمہ

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کسی خاص علاقہ، خاندان یا معاشرہ وفرد کیلئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کی معمار سازی ورہنمائی کے لئے ہے، اگر اسے کسی خطہ یا قوم وملت سے وابستہ کر دیا جائے؛ تو اس کے ساتھ سراسر نا انصافی ہوگی، اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں، قرآن نے خود علی الاعلان یہ کہا ہے کہ:

هذا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ (آل عمران:۱۳۸)

یہ لوگوں کے لئے کھلی کتاب ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ونصیحت۔

یعنی تمام انسانیت کے لئے ہدایت ہے، لیکن یہ ہدایت وطریق وراہ کیا ہے؟ دراصل اسی کی وضاحت وتفصیل قرآن کریم کا مرکزی عنوان ہے، جسے ہم ''توحید'' کا نام دے سکتے ہیں۔ یوں تو ماضی میں عرب اور حال میں ہندوستان ودیگر ممالک نے سینکڑوں معبود والہ بنا رکھے ہیں، جنکی پرستش کی جاتی ہے، ان کے سامنے سجدہ شکر بجالایا جاتا ہے، جب کہ یہ معمار انسانیت کے لئے شدید مضر وہلاکت خیز ہے، حالانکہ خود انسانی قانون وآئین میں بھی اس کی اجازت نہیں کہ محسن کے ساتھ ناقدری وناشناسائی کی جائے تو بھلا محسن اعظم رب ذوالجلال کے ساتھ؛ جس نے پوری کائنات اور انسانوں کی تخلیق کی کیونکر اجازت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ یہی وہ مضمون ہے جسے قرآن کریم نے بار بار دہرایا:

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱) لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲) هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيمٌ (۳)هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۴) لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (۵) يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۶) آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ (۷) (حدید ۱ تا ۷، اور دیکھئے: لقمان ۲۴ تا ۳۲)

اب جب کہ انسان کو سوچنے، سمجھنے اور غور وفکر کرنے کی صلاحیت دی اور قرآن نے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ (نساء: ۸۲، محمد: ۲۴) کہہ کر اسے اس پر خوب ابھارا؛ ساتھ ہی ایسے لوگوں کی تعریف بھی کی جو کسی چیز پر اندھے بہروں کی طرح نہیں ٹوٹ پڑتے:

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا (فرقان: ۷۳)۔

اور جب ان کے رب کی آیتوں سے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

اسی اصول کے تحت قرآن نے عقلی دلائل بھی پیش کئے اور فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ (انبیاء: ۲۲)۔

اگر دونوں (آسمان اور زمین) میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ کر رہ جاتا، بس جو باتیں یہ بتاتے ہیں اللہ ان سے پاک ہے جو عرش کا مالک ہے۔

اور بتلا دیا کہ تم کیا؟ پوری مخلوق میری توحید کی قائل اور تسبیح کی پابند ہے: يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (جمعہ:۱) نیز نہ ماننے والوں کو مشرک وکافر قرار دے کر فرمایا:

لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان:۱۳)۔

اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا یقیناً شرک ایک بہت بڑی ناانصافی ہے۔

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ: ہر گناہ کی معافی ہوسکتی ہے لیکن شرک کی نہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء:۴۸)۔

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وحدانیت انانیت کا لازمہ ہے اور لزوم سے فرار ہی فساد کا باعث اور خرابی وتخریب انسانیت کی جڑ واصل الاصول ہے، چنانچہ دکتور سفر الحوالی نے اپنی ویب سائٹ www.alhawali.com پر سورہ انبیاء آیت نمبر ۲۲ کی تفسیر میں لکھا ہے:

فالفساد الواقع فی الارض الیوم انما هو نتیجة ان المحکم وهو غیر شریعة الله سبحانه بجمیع الشرور التی فی العالم هذا مصدرها وهذا سببها۔

اگر ایک طرف انکار توحید فساد وبگاڑ کی وجہ ہے تو وہیں تسلیم توحید تعمیر حیات کی کنجی ہے، اور انسانی علم کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اس کی حکمتوں واسرار پر قلم خشک ہو چکے ہیں (۵۰)۔

ارکان اربعہ: عشق الٰہی کا معیار

بنی نوع کی تخلیق بے کار ورائیگاں نہیں، اسکی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی وقابل مواخذہ اور احتساب ہے؛ بلکہ اسکی خلقت کو عبث سمجھنے والوں سے قرآن سوالیہ انداز میں کہتا ہے:

(۵۰) مزید دیکھئے: حجۃ اللہ البالغۃ ا۔ باب التوحید، اور www.ejabaa.com: حکمۃ التوحید۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (مؤمنون:۱۱۵)۔

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی پیدا کر دیا اور تم پلٹ کر ہمارے پاس نہیں آو گے۔

ایسوں کو چاہئے کہ اس کے دستور و آئین اور ام الکتاب ہی میں اس کا جواب اور اسکی خلقت کا مقصود تلاش کرے؛ کیونکہ یہ کتاب ہی بہتر طریقہ سے بتلا سکتی ہے، فرمایا گیا:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا (9) وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (بنی اسرائیل:۹۔۱۰)۔

بلا شبہ یہ قرآن اس راستہ پر لے جاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بڑے اجر کی بشارت ہے، اور جو آخرت کو نہیں مانتے ان کے لئے ہم نے بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور فرمایا گیا:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا (۱۸) وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا (بنی اسرائیل:۱۸۔۱۹)۔

جو بھی دنیا کا طالب ہوتا ہے تو ہم اس میں سے جو چاہتے ہیں فوری طور پر اس کو دے دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لئے جہنم طے کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر جا گھسے گا، اور جو آخرت کا طلب گار

ہوا اور اس نے ایمان کے ساتھ اس کے لئے ویسی کوشش کی جیسی
کرنی چاہئے تو ایسوں کی کوشش یقیناً ٹھکانے لگی ہے۔

یعنی اس کا مقصد حیات توحید ولوازم کے ساتھ یہی ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرے، اسکی رضا جوئی وخوشنودی کا سامان کرے، شب بیداری اور دن کی محنت کشی اسی کی نذر کرے، ہر ایک ساعت ولحظہ کی راحت وآرام اسی کے نام پر قربان؛ حتی کہ اپنی جان بھی اسی کے دم پر نثار کرے، ارشاد باری ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات:۵۶)۔
اور میں نے انسانوں اور جناتوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ
میری بندگی کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان مٹی کا تودہ، بہیمیت وحیوانیت اور ملکوتیت کا منبع ہے، چنانچہ اس کے کردار واخلاق اسے ملاء اعلی کی سیر بھی کروا سکتے ہیں تو درک اسفل میں بھی دھکیل سکتے ہیں، یہی وہ فلسفہ حیات ہے جس کا پیغام نہ صرف چھوٹی چھوٹی آیتوں میں بلکہ طول وطویل سورتوں میں موجود ہے، سورہ ''التین'' کا پورا سبق یہی کہتا ہے؛ جبکہ سورہ ''عصر'' تو گویا انسانی زندگی کی ''master key'' ہے، جس میں اسکی کامیابی وناکامیابی کا اصل اصیل بتلایا ہے، فرمایا گیا:

وَالْعَصْرِ (۲) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۲) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳)۔
زمانے کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو
ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور انہوں نے ایک
دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔

اس سورت اور بقیہ سورو آیات میں مذکور ''وعملوا الصالحات'' ہی کا وہ مجموعہ ہے، جسے ارکان اربعہ کہا جا سکتا ہے، جو انسانوں کے لئے عشق الٰہی کا معیار اور اس کی عبادت کا اعلی نمونہ ہے

یعنی: نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔

نماز: انسانی معراج

ازل سے فطرت انسانی کا ورد بندگی واطاعت ہی ہے؛ ایسے میں لازمی ہے کہ: ہر سر اپنے آقا ومالک کے آستانے کی زینت بنے، یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بندہ؛ بندہ ہو اور وہ بندگی کے مادہ سے خالی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ اگر یہ نیاز مندی خالق حقیقی سے نہ ہوئی تو در در کی چوکھٹوں پر دستک دی جائے گی؛ چنانچہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ رب العزت نے عبادت کی جو سب سے جامع شکل متعین فرمائی ہے؛ اسی رنگ میں رنگا جائے، جس میں جسمانی پہلو کی نمائندگی بھی ہے اور ذہنی ومالی پہلو کا بھی، جنہیں ہم نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے نام سے جانتے ہیں۔

نماز جس میں قیام، رکوع، سجود اور قعدہ چاروں شکلیں جمع کر دی گئی ہیں؛ جو عبادت کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی میں ۵۵ مقامات پر لفظ ''**الصلاۃ**'' کا ذکر آیا ہے، ساتھ ہی قرآن کریم نے جابجا اسکی حکمتوں اور تعمیر انسانیت کے حق میں ہونے کو ثابت کیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت:۴۵)۔

بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

لیکن اسکے لئے ضروری ہے کہ نماز خشوع واخلاص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے طریقہ پر ادا کی جائے؛ تو اس کی شان یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے والے ''فحشاء'' یعنی قول وفعل کی ہر برائی اور ''منکر'' یعنی جس سے شریعت اور فطرت سلیمہ ناپسند کرتی ہو روک دیا جائے گا:

> تعليل للأمر بالمحافظة على إقامة الصلاة بخشوع وإخلاص . أى : دوام - أيها الرسول الكريم - على إقامة الصلاة بالطريقة التى يحبها الله - تعالى - ، فإن من شأن الصلاة التى يؤديها المسلم فى أوقاتها بشخوع وإخلاص ، أن تنهى مؤديها عن ارتكاب الفحشاء - وهى كل ما قبح قوله وفعله - ،

وعن المنکر - وھو کل ما تنکرہ الشرائع والعقول السلیمۃ (۵۱).

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: سعادت حقیقیہ یہ ہے کہ بہیمیت، نفس ناطقہ کی تابعدار ہوجائے اور خواہش عقل کی پیروی کرے، اس مقصد کی تحصیل کے لئے نماز جیسی کوئی چیز نہیں، نماز نفس کو خوگر بناتی ہے کہ وہ عقل کی تابعداری کرے اور عقل کے حکم پر چلے پس سعادت حقیقیہ حاصل کرنے میں بھی نماز بڑی معین و مددگار ہے "ولا شئ فی تمرین النفس علی انقیاد الطبیعۃ للعقل، وجریانھا فی حکمہ، مثل الصلاۃ؛ واللہ اعلم" (۵۲).

روزہ: ملکوتیت کی صفت

زمینی مخلوق ہونے کی بنا پر لازماً بشری تقاضے پورا کرنے اور اس کے لئے تگ ودو کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے درمیان بسا اوقات بہیمیت کا زنگ چڑھ جاتا ہے، دراصل روزہ اسی زنگ کی صفائی اور اپنے آپ کو فرشتہ نما بنانے کی مشق ہے، اور ان جیسی صفات یعنی نفسانی خواہشات، خودغرضی وخود پرستی کے طوق وسلاسل سے آزاد ہوکر اپنے آپ کو محبت ومودت الٰہی اور جذبۂ اطاعت کا پیکر بنانا ہے، نیز خودی کی تعمیر، خیر وصلاح اور انسانی جذبہ کو تقویت پہونچانا ہے، قرآن کریم نے اسکی فضیلت بتلاتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ کلام مقدس کا نزول بھی اسی ماہ مبارک میں ہوا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرۃ:۱۸۵).

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

علامہ ابن قیمؒ روزہ کے مقاصد واسرار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے، فاسد مادہ کے جمع ہوجانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اس سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، جو چیزیں مانع صحت ہیں ان کو خارج کردیتا ہے اور

(۵۱) دیکھئے: الوسیط لسید طنطاوی: ۱/۳۳۱۵

(۵۲) حجۃ اللہ مع رحمۃ اللہ: ج:۲/ باب اسرار الصلاۃ

اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوا و ہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، وہ اس سے دفع ہوتی ہیں، وہ صحت کے لئے مفید اور تقوی کی زندگی اختیار کرنے میں ممد و معاون ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ (۵۳)۔

سچی بات یہ ہے کہ روزہ و رمضان خدا کی ایک عظیم نعمت ہے، یہی وجہ ہے؛ کہ رب العالمین نے اپنے کلام میں اس کا تذکرہ فرمایا، اگر پوری دنیا اس بات پر مصر ہو جائے کہ وہ انسانوں کو خود ساختہ آئین و دستور کی روشنی میں روزوں کے مثل فائدہ پہونچائے اور تعمیر انسانیت کا اس سے بہتر طریقہ پیش کر دے تو یقیناً انہیں منھ کی کھانی پڑے گی، روزہ کی حسین و نورانی شب و روز، للّٰہیت و تقوی اور تکبیر مسلسل، قرأت قرآن کی صدائیں کانوں اور فضاؤں میں وہ رس گھولتی ہیں کہ؛ شہد بھی پھیکا پڑ جائے، یہ بھی اسی ماہ کی برکت ہے کہ انسانوں کی فطرت میں دبی برائیوں کو کھرچ کھرچ کر اس کے ریشہ ریشہ جدا کر کے بارگاہ ایزدی کا رضا کار بنا دیتی ہے۔

زکوۃ: مالی حرص کا علاج

حقیقتاً انسان حرص و طمع اور لالچ کا مجسم ہے، بالخصوص مال و دولت کی ہوس؛ جنونیت کی شکار ہے، قرآن کریم نے اس ہوس کی تصویر کشی یوں کی ہے:

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (العادیات:۸)۔

اور بلاشبہ وہ مال کا بڑا متوالا ہے۔

اسی مجسمہ وبت کو ملیا میٹ کرنے کے لئے اور دلوں کی تختی صاف و ستھری کرنے اور انسانیت کو بلندی عطا کرنے کیلئے زکوۃ کی ترکیب نکالی گئی فرمایا:

(۵۳) بقرۃ: ۱۸۳ دیکھئے: زاد المعاد ۱/ ۵۲

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

(البقرۃ:۴۳)۔

نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

ساتھ ہی یہ بندوں کی جانب سے رب کے مالی احسانات کا شکرانہ بھی ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اس کی حکمتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس طرح زکوۃ وصدقات میں اظہار عبدیت کے ساتھ اپنے ہم جنس انسانوں کی مصیبت و پریشانی میں ان کی ہمدردی وغمخواری کی علامت بنتی ہے، اور یہ صورت حال اللہ رب العالمین کو بہت پسند ہے، اسی لئے اپنی عبادت اختیار کرنے کی تلقین میں نماز کے ادا کرنے کے فوراً بعد زکوۃ کا ذکر آیا ہے (تقریباً ۲۳ مرتبہ لفظ ''الزکوۃ'' نماز کے ساتھ مذکور ہے: راقم)۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے اس سے ایک طرف ہمدردی وغمخواری کی فضا قائم ہوتی ہے اور دوسری طرف معاشرے کے افراد میں خوش حالی کی صوت حال قائم ہوتی ہے، مالوں میں برکت ہوتی ہے، دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسے کی فضا قائم ہوتی ہے (۵۴)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

> الزكوة تزيد فى البركة،وتطفئى الغضب بجلبها فيضا من الرحمة،وتدفع عذاب الآخرة المترتب على الشح وتعطف دعوة الملأ الأعلى المصلحين فى الارض على هذا العبد۔ والله وعلم (۵۴)۔

(۵۴) قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل: ۲۷۰

زکوۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے اور غضب الٰہی کو رحمت الٰہی میں بدل دیتی ہے ساتھ ہی ان عذابات کو دور کر دیتی ہے جو شح و بخل کی وجہ سے ہونے والے ہوتے ہیں نیز ایسوں کو زمین ہی پر ملا اعلیٰ کی سیر کرائی جاتی ہے۔

حج: عشق الٰہی کی مراد

عشق الٰہی کی کلیاں جب دل میں چٹخنے لگتی ہیں تو دل میں بے قراری و بے اطمینانی کا طوفان اور سیلاب امنڈ آتا ہے، قیام اللیل اس کا توشہ اور ذکر الٰہی اس کا جزء لاینفک ہوجاتا ہے، ہر دیار؛ خراباں اور ہر ساون؛ پت جھڑ محسوس ہوتا ہے، ایسے میں اگر محب کو محبوب کا دیدار نہ سہی؛ عکس بھی نصیب ہوجائے تو فریفتگی و شیفتگی کو دوبالا کرتے ہوئے کسی قدر طمانینت کی سیر بھی ہوجاتی ہے، درحقیقت حج بھی اس بندہ کی دیوانگی و فدائیت کا نعم البدل ہے، جو رب ذوالجلال کی اطاعت و محبت اور رضا طلبی کا جویا و سرگرداں ہو اور اس برگزیدہ بندہ و موقر نبی کی داستان بھی ہے، جس نے اپنے محبوب کے لئے ہجرت بھی کی اور اپنے جگر گوشہ کا فراق بھی برداشت کیا اور اسی کی حکم کی تابعداری کرتے ہوئے اللہ کا سب سے پہلا گھر بنایا، جس کو ہم کعبہ کہتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (آل عمران:۹۶)۔

بس سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت کرنے) کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے مبارک اور تمام جہانوں ک لئے راہ نما ہے۔

جس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اسے من شعائر اللہ کہہ کر اسکی اساس تقوی پر بتلائی:

ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (حج:۳۲)۔

یہی (بات) ہے اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو یقیناً یہ دل کے

تقوی والی بات ہے۔

شعائر اللہ سے وہ چیزیں مراد ہیں، جو اللہ سے خاص نسبت رکھتی ہیں، مقامات حج بطور خاص اس میں داخل ہیں اور اسی کے مؤسس اول کے پیروں کی اتباع؛ اتباع محمدیؐ کی صورت میں تا قیامت جاوداں کر دیا گیا، جس کا تذکرہ سات مقامات پر اہمیت کے ساتھ کیا گیا:

فاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (آل عمران:۹۵؛ دیکھئے: بقرۃ:۱۳۰، ۱۳۵، نساء:۱۲۵، انعام:۱۶۱، یوسف:۳۸، نحل:۱۲۳، حج:۷۸)۔

بس اب تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو۔

بلکہ ان کے پورے گھرانے کی نقل وحرکت ہی علامت ومقبولیت کی نشانی قرار دے کر تا دم انسانیت اس کی نقالی کرنے کا حکم دیا؛ جو حج کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے، قرآن کریم نے ان قصوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے ملاحظہ ہو: سورۃ عمران: ۷۴ تا ۸۴، انبیاء: ۵۱ تا ۷۰، ابراہیم: ۳۵ تا ۴۱، صافات: ۱۰۰ تا ۱۱۱، حج: ۲۶ تا ۳۴ وغیرہ، اسکی حکمتوں اور تعمیر انسانیت میں اس کی اہمیت پر کوئی شبہ نہیں، ایک حدیث میں ہے:

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه(۵۵)۔

جس نے حج کیا اور اس نے نہ تو فسق کیا اور نا ہی گناہ تو ایسا ہو گیا، جیسے اسکی والدہ نے ابھی ابھی جنا ہو۔

انسان اس کی وجہ سے اطاعت وفرمانبرداری، گناہوں سے اجتناب، حقوق کی پاسداری، بخل سے پرہیز اور محبت وہمدردی کا گہوارہ ہو جاتا ہے(۵۶)۔

تعمیر انسانیت کا معمار؛ اخلاق حسنہ اور قرآن

حقیقت یہ ہے کہ آئین الٰہی میں توحید وارکان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت ومرکزیت

(۵۵) متفق علیہ

(۵۶) دیکھئے: حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ رباب اسرار الحج، اور ارکان اربعہ: علی میاں

اخلاق حسنہ ہی کو دی گئی ہے؛ بلکہ قرآن نے کئی مقامات پر آپؐ کی بعثت یعنی قرآن کی بعثت کو تزکیہ نفس (جو اخلاق حسنہ میں صلب کی حیثیت رکھتا ہے) سے متصل کیا ہے:

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّینَ رَسُولًا مِنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ (جمعہ:۲)۔

وہی ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اسکی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔

جسے آپ نے اس مہارت وخوبی کے ساتھ انجام دیا کہ؛ رب ذوالجلال نے آپ کو مکارم اخلاق کی سب سے بلندی پر ہونے کا اعلان کیا: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ ''(القلم:۴) یعنی ایک شخص کے اندر فطری اخلاق کریمہ اور محمودہ جتنی بھی ہوں آپ ان سے سب سے زیادہ مزین تھے:

وَالْخُلُقُ الْعَظِیمُ: هُوَ الْخُلُقُ الْأَکْرَمُ فِی نَوْعِ الْأَخْلَاقِ وَهُوَ الْبَالِغُ أَشَدَّ الْکَمَالِ الْمَحْمُودِ فِی طَبْعِ الْإِنْسَانِ لِاجْتِمَاعِ مَکَارِمِ الْأَخْلَاقِ فِی النَّبِیءِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَسَنٌ مُعَامَلَته النَّاس علی اخْتِلَافِ الْأَحْوَالِ الْمُقْتَضِیَةِ لِحُسْنِ الْمُعَامَلَةِ، فَالْخُلُقُ الْعَظِیمُ أَرْفَعُ مِنْ مُطْلَقِ الْخُلُقِ الْحَسَنِ.

کیونکہ شریعت کی اصل انسان کا مکارم اخلاق سے باکمال ہونا ہے جس کے سب عظیم مظہر آپ تھے اسی لئے اللہ نے فرمایا: پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک صاف راستہ پر رکھا ہے، بس آپ اسی پر چلئے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے مت ہو جایئے جو جانتے ہی نہیں''، اور آپ کو حکم دیا کہ آپ کہیں: ''میں سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں'':

فَجَعَلَ أَصْلَ شَرِیعَتِهِ إِکْمَالَ مَا یَحْتَاجُهُ الْبَشَرُ مِنْ مَکَارِمِ الْأَخْلَاقِ فِی نُفُوسِهِمْ، وَلَا شَکَّ أَنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَکْبَرُ مَظْهَرٍ لِمَا فِی شَرْعِهِ قَالَ تَعَالَى: ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى

شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا (الجاثیۃ:۱۸)، وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ (الأنعام: ۱۶۳)(۵۷)۔

یہی وجہ ہے کہ معناً آپ کے ہر ایک کردار و اخلاق کو کتاب مبین میں جگہ دے کر پوری انسانیت کے لئے اسوہ وآئیڈیل قرار دیا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)۔

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

چنانچہ بحیثیت بندہ خدا اور امت محمدیؐ تعمیر انسانیت کے لئے ان صفات واخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرنا ناگزیر ہے، اس کے بغیر ایک نیک فرد اور صالح معاشرہ وملک کا وجود ناممکن ہے، عموماً انسان دنیا کی الجھن و پراگندگی سے قطع نظر حسن وشادابی کے دام فریب سے الجھتا جاتا ہے؛ ایسے میں دنیا ومافیھا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی اصلاح کرتے ہوئے مختلف زاویوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور بتلایا ہے کہ دنیا آنی جانی ہے، اس کا سراپا فانی ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ''جو کچھ اس پر ہے وہ سب مٹنے والا ہے'' (رحمن:۲۶) یعنی روئے زمین پر سانس لینے والی ہر ایک چیز ختم ہوجائے گی: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا أي على الأرض من الحيوانات والمركبات، فانٍ (۵۸)۔

لہذا اپنے آپ کو اس کے رذائل سے بچانے اور مالک حقیقی کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے۔

قرآن کا ایک طائرانہ مطالعہ بھی انسانی فطری برائیوں کو کھول کر رکھ دیتا ہے، ساتھ ہی اس کا مناسب حل بھی تجویز کرتا ہے؛ بلاشبہ مال کی بے پناہ محبت اور اس کی جمع خوری میں انسان اپنے آپ کو ہلاک کئے رہتا ہے ایسے اخلاق کریمہ کے متصف کو اللہ نے ڈرایا اور علم یقین کا واسطہ دیا دیکھئے: سورۃ التکاثر، اور انہیں خیرات وصدقات کرنے کی خوب فضیلت بتلائی؛ چنانچہ قرآ کریم میں لفظ ''يُنْفِقُونَ'' کا تذکرہ ۲۰ مقامات پر کیا گیا بلکہ خرچ نہ کرنے والوں کو یہ دھمکی بھی دی گئی:

---

(۵۷) دیکھئے: التحریر والتنویر ۲۹/ ۶۴

(۵۸) مراح لبید لکشف معنی القرآن المجید: ۲/ ۴۷۷

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (توبہ:۳۴)۔

اور جو لوگ بھی سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔

ایک جگہ حیرت سے یہ بات بھی کہی گئی:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (حدید:۱۰)۔

اور تمہیں ہو کیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے جبکہ آسمانوں اور زمین کا سب کچھ اسی کو پہونچتا ہے۔

علامہ قرطبی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے: کہ تمہیں کونسی چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے روک رہی ہے حالانکہ تم لوگ مرنے والے ہو اور تم اپنے مال اپنے پیچھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور یہ مال بھی اللہ ہی طرف لوٹ جائے گا۔۔۔اور کہ آسمان و زمین بھی اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے، جس طرح میراث اس کے مستحق کی طرف لوٹتی ہے"۔

اسی طرح انسان آپسی معاملات، لین دین میں جھوٹ بولنے، دروغ گوئی و دغابازی کرنے کو ہنرمندی و عقلمندی گردانتا ہے، جو کہ سیرت حسنہ کے اشد مغائر ہے، قرآن حکیم ایسے جھوٹ بولنے پر سخت نکیر کی فرمایا: فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (بقرۃ:۱۰) ایک اور جگہ ارشاد ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (حج:۳۰) بلکہ جھوٹوں کو اللہ نے ہدایت سے بھی محروم کر دیا ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (غافر:۲۸) ساتھ قول سدید کا حکم اور اس کے فوائد بتلاتا ہے:

وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوبَكُمْ (احزاب:۷۱)۔

اور جچی تلی بات کہو، وہ تمہارے لئے تمہارے کاموں کو بنا دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

نیز ہمدردی ورحمدلی کرنے اور ایک دوسرے کو معاف کرنے اور درگزری سے کام لینے کی فضیلتیں دلنشین انداز میں بیان کرتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (اعراف:۱۹۹)۔

درگزر کا رویہ اپنایئے بھلائی کو کہتے رہئے اور نادانوں سے اعراض کیجئے۔

اور فرمایا: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ''بس آپ خوبصورتی کے ساتھ درگزر کردیا کیجئے'' (حجر:۸۵)، اس کے نتیجہ میں مغفرت کا پروانہ بھی ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (النور:۲۲)۔

اور انہیں چاہئے معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے اور اللہ تو بڑی مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

ایسے لوگوں کو اللہ اپنا محبوب کہتا ہے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران:۱۳۴)۔

اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ بہتر کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نیز اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں انسانوں کی آزمائش ہونی ہے؛ لیکن اس میں کامیاب وہی شخص ہوگا اور تعمیر انسانیت کی دہلیز پر قدم رکھے گا جو عفو درگزری کے ساتھ صبر کا بھی دامن تھامے رکھے؛ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ۹۳ مقامات پر صبر کی تلقین فرمائی ہے اور یہ بھی کہا کہ: عفو ودرگزر کرنا اور صبر کرنا بچوں کا کھیل نہیں فرمایا گیا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (شوری:۴۳)۔

اور جس نے صبر کیا اور معاف کردیا تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

ایک جگہ فرمایا کہ صبر کرنے والوں کا انجام بہتر ہوگا: وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (رعد:۲۲)، صبر کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ اسے محض توفیق باللہ کہا گیا: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (نحل:۱۲۷) اور فرمایا کہ صبر کرنے والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہوتی ہے: إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ''بیشک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں'' (بقرۃ:۱۵۳، انفال:۴۶)۔

مصائب میں صبر کے ساتھ شکر بھی تعمیر انسانی کی ایک ضرورت ہے؛ اسی پیش نظر قرآن نے تقریباً ۴۳ مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ جو اس کی نعمتوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ''اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں اور دیں گے'' (ابراہیم:۷)، یہ ایک ایسا عمل ہے جو صرف انبیاء بلکہ اللہ رب العزت کی صفت ہے؛ خدا کے بارے میں ہے: فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ''بلا شبہ اللہ بڑا قدردان خوب جاننے والا ہے'' (بقرۃ:۱۵۸، اور دیکھئے: شوری ۲۳، تغابن: ۱۷) انبیاء کے متعلق ہے: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ''کہ تم ان کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کردیا تھا یقیناوہ بڑے شکر گزار بندے تھے'' (اسراء:۳، نحل ۱۲۰ اور ۱۲۱،) اسی لئے قرآن میں باقاعدہ شکر کرنے کا حکم دیا: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ''تو تم مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد کرتا رہوں گا اور میرے شکر گزار بن کر رہو اور میری ناشکری مت کرو'' (بقرۃ:۱۵۲، اور دیکھئے: لقمان: ۱۴، زمر:

۶۵۔۶۶، اعراف: ۱۴۴، بقرۃ: ۱۷۲، یس: ۳۳، ۳۵، ۷۱، ۷۳،)، شکر کا فائدہ رب کی رضا ہے: وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ''اور اگر تم شکر مانو تو اس سے وہ (خدا) ضرور تم سے خوش ہوگا'' (زمر: ۷)، عذاب سے امن کا پروانہ ہے: مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ''اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور مان لو تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا'' (نساء: ۱۴۷)، اس آیت میں 'آمَنْتُمْ'' سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شکر کا صحیح تقاضہ؛ ایمان لانا ہے، علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

الشكر ظهور اثر نعمة الله على لسان عبده ثناء واعترافا وعلى قلبه شهودا ومحبة وعلى جوارحه انقياد اوطاعة(۵۹).

شکر یہ ہے کہ: بندہ کے زبان پر اللہ کی نعمت کا اثر ثنا کی صورت میں ظاہر ہو اور دل میں اس کا خیال اور اور اعضاء و جوارح سے از راہ محبت اس کی اطاعت ہو۔

اخلاق کا سب سے عظیم تقاضہ عدل وانصاف (زندگی کے ہر پہلو میں) کو ضروری اور ظلم وستم کو مہلک قرار دیتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ پوری انسانیت کو صرف قرآن کے اسی نقطہ عدل پر ہی جمع کیا جا سکتا ہے، اور امن وامان، محبت وانس کی فضا اسی میزان عدل پر قائم ہو سکتی ہے تو بے جا نہیں؛ بجا ہوگا، اسی لئے قرآن کریم نے جگہ جگہ عدل کرنے کا حکم دیا؛ قرآن کا بیان ہے کہ تمام انبیاء ورسل کے ساتھ کتاب ومیزان دونوں اتارے گئے تا کہ عدل قائم کیا جا سکے ارشاد ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ(حدید:۲۵).

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور ترازو بھی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

(۵۹) مدارج السالکین: ۲/ ۲۴۴

لوگوں کے درمیان معاملات میں عدل کا حکم دیتے ہوئے حضور ﷺ کی زبانی یہ کہلوایا گیا: وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ''اور مجھے حکم ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں'' (شوریٰ:۱۵)، تو کبھی احکام میں عدل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کے کہا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (نساء:۵۸)۔

تمہارے لئے اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ تم امانتوں کو امانت والوں تک پہونچادو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

ایک موقع پر تو عدل کو تقوی کی دلیل گردانا گیا: اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ''انصاف کرتے رہو یہی تقوی سے قریب تر ہے'' (مائدۃ:۸) اور اس سلسلہ میں بے لوچ و لچک رویہ اختیار کرنے کا کیا حکم دیا: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو'' (مائدۃ:۸) خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں: فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى ''انصاف ہی سے کام لینا اگرچہ کہ وہ تمہارا قریبی ہی کیوں نہ ہو'' (انعام:۱۵۲)؛ پھر قرآن نے ایسے لوگوں کی تعریف بھی بیان کی جو انصاف کرتے ہیں: وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ''اور ہمارے پیدا کئے ہوئے لوگوں میں ایک وہ امت ہے جو حق کا راستہ بتاتی ہے اور اسی کے موافق انصاف کرتی ہے'' (اعراف:۱۸۱)؛ کیونکہ اس کے برخلاف ناانصافی وظلم ستم قاتل ہے، جو تمام حسن وخوبی کو تودہ ریت کی طرح بکھیر کر رکھ دیتا ہے، معاشرہ وملک کا یہی وہ کینسر ہے جس سے پوری انسانیت اندر سے خالی و بے بہرہ ہوکر بہیمیت و شیطانیت کی حدیں پار کردیتی ہیں، اسی لئے ۳۴ مقامات پر قرآن نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور انہیں تیار شدہ عذاب سے ڈرایا: وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ''اور ظلم کرنے والے ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے'' (انسان:۱۳)۔

یہ بھی تعلیم قرآن ہی ہے کہ معاشرہ میں صلاح وفلاح بجالانے کیلئے ایک باا ثرنسخہ یہ بتلایا کہ ایک دوسرے سے اچھی اور بھلی بات کہو، قرآن کریم میں جا بجا "قولا معروفا اور میسورا" کا ذکر ہے جو یقینا آپسی محبت وخلوص کا مصداق ہے: وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا "اوران سے مناسب انداز میں بات کرو" (نساء: ۵، ۸، بقرۃ: ۲۳۵، احزاب: ۳۲)، ترش روئی وبدمزاجگی سے گفتگو کرنا انسانی شان وشرست کے خلاف ہے، اسے خدا کی رحمت قرار دیتے ہوئے آپؐ کے بارے میں کہا گیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹)۔

بس اللہ ہی کی رحمت تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ نرمی فرمائی اور اگر آپ تندخو سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے کب کے منتشر ہو گئے ہوتے۔

بلکہ قرآن نے برائیوں کا بدلہ بھی اچھائی سے دینے کی تلقین کرتا ہے: ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ "برائی کو آپ دور کرتے رہیں ایسے طریقہ پر جو نہایت اچھا ہو" (مؤمنون: ۹۶): یعنی انہیں بہتر سے بہتر جواب دیا جائے کسی قسم کی سختی نہ ہو: اى الحال التى تكون أحسن الردود ردا مدنيا مقربا، وليس جافيا مبعدا (۶۰)۔

اور پھر یہ بھی فرمایا: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "اور اچھائی و برائی دونوں برابر نہیں (بری بات کا) جواب ایسا دو جو بہت اچھا ہو" (فصلت: ۳۴)، ایسے لوگوں کے لئے رب کی پسندیدگی کا پروانہ بھی ہے: وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ "اور کام بہتر طریقہ پر کرو، بیشک اللہ اچھے کام کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے" (بقرۃ: ۱۹۵)۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے متعدد جگہوں پر تعمیر انسانیت میں معاون اور معاشرتی خرابیوں پر تنبیہ کی ہے، اور بلا شبہ ان تمام تعلیمات کو یکجا کرنا مشکل ہے؛ یہاں پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(۶۰) صفوة التفاسير: ۱۰/۵۱۱۶

صاحب کی کتاب ''قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل'' ص: ۳۲۷ سے ایک جامع اقتباس نقل کیا جاتا ہے جو بنیادی باتوں پر مشتمل ہے:

> اس کے علاوہ معاشرتی خرابیاں جن چیزوں سے دور ہوسکتی ہیں قرآن مجید نے ان کی تفصیل بتائی ہے اور وہ یہ ہیں: ا۔تقوی، ۲۔اخلاص، ۳۔توکل، ۴۔صبر وشکر۔تقوی نام ہے دل کی پاکیزگی اور عمل صالح کا، اخلاص نام ہے دیانت داری کا، توکل خدا پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں اور صبر تمام شیطانی طاقتوں پر قابو پانے کو کہتے ہیں، تقوی سے عظمت نفس پیدا ہوتی ہے اور انسان کا ضمیر بیدار ہوتا ہے اسی لئے اسلام میں برتری کا معیار تقوی کو قرار دیا گیا ہے، اخلاص خدا کی خوشنودی اور بجا آوری کو کہتے ہیں ظاہر ہے اگر انسان میں پرہیزگاری اور زندگی میں خلوص پیدا ہو جائے تو پورا سماج معاشرتی برائیوں سے پاک ہوسکتا ہے کیونکہ جس میں اللہ کا خوف ہوگا وہ نہ بد دیانتی کرے گا اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کرے گا، نہ اس کے قول وعمل میں تضاد ہوگا اور نہ وہ اپنے فرائض منصبی سے پہلوتہی کرے گا، اسی طرح توکل اور صبر کامیابی کی اصل بنیاد ہیں مشکلات اور مصیبتوں کو برداشت کرنا مصائب کا پامردی سے مقابلہ کرنا اور ضبط نفس سے کام لینا کسی قوم اور ملک کی ترقی کا زینہ ہے۔

تعمیر فرد؛ صالح معاشرہ وملک کی اصل

سابقہ زمانہ کی آسمانی کتابیں علاقائی وصوبائی طور پر محدود اور ان کا پیغام مقید ہوا کرتا تھا، ان میں عالمی خطاب ورسالت نہ ہوتی تھی، لیکن قرآن کریم نہ صرف سابقہ صحف کے مضامین کا مجموعہ اور ان پر

شاہد وگواہ ہے، ارشاد ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ (آل عمران:۳)۔

اس نے آپ پر ٹھیک ٹھیک کتاب اتاری ہے پہلی (کتابوں) کے لئے وہ تصدیق ہے اور اسی نے تورات وانجیل اتاری۔

یعنی ماضی میں توحید، اخبار وشرائع کی جو باتیں نازل کی گئیں قرآن ان تمام کی تصدیق کرتا ہے: لما قبله من الكتب فى التوحيد والنبوات والأخبار وبعض الشرائع(۶۱)؛ بلکہ اس کی تعلیمات وخطاب کا موضوع عالمی (Universel) ہے، قرآن نے متعدد مقامات پر اس کا اظہار کیا ہے: وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ''اور لوگوں کے لئے اپنی نشانیاں کھول رہا ہے، شاید وہ نصیحت حاصل کریں'' (بقرۃ:۲۲۱).

مگر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اسکی موعظت و پند میں اولین مخاطب فرد کو قرار دیا ہے اور اس سے کہا کہ اپنے آپ کو قرآن میں تلاش کرو، جیسے کہ ارشاد ہے: وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُونَ ''اور یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے ایک نصیحت ہے اور آگے تم سے پوچھا جائے گا'' (زخرف:۴۴) اور فرمایا: قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ''بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے'' (التحریم:۶) اور اگر وہ نہیں مانیں تب بھی اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنے کا حکم ہے: فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ''بس تم اسکی بندگی کرو اور اس کی بندگی پر ثابت قدم رہو'' (مریم:۶۵) اور فرمایا: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے اور خود اس میں لگے رہئے'' (طہ:۱۳۲) نیز قرآن کریم میں تقریباً (۵) مقامات پر ایک اہم اصول بتلایا گیا؛ کہ ہر ایک کا عمل اسی کے نفس پر ہے، قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا: وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ''اور ہر شخص جو کریگا، وہ اپنے ہی سر لے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا''

(۶۱) دیکھئے: تفسیر البغوی:۱/۶

(انعام:۱۶۴،اسراء:۱۵،فاطر:۱۸،زمر:۷،نجم:۳۸)أی لا تتحمل نفس بریئة حمل نفس مذنبة آثمة أخری(۶۲)۔

ساتھ ہی اس کی تعلیمات و پیغامات کو اپنے حد تک ہی محدود رکھنے اور دوسروں تک نہ پہونچانے کو بہتر نہیں سمجھا گیا؛ بلکہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ(مائدۃ:۲)۔

نیکی اور تقوی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد مت کرنا۔

یعنی ہوا و ہوس سے اجتناب اور اطاعت میں مدد کرو، شقاوت و بدبختی اور اللہ کے حدود پار کرنے میں نہیں:أی علی متابعة الأمر ومجانبة الهویٰ۔۔۔أی المعصیة للتشفی وَالْعُدْوَانِ أی التعدی فی حدود الله للانتقام (۶۳)،اور اللہ نے یہاں تک حکم دیا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى (نحل:۹۰)۔

بلا شبہ اللہ انصاف کا اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے (دلانے) کا حکم کرتا ہے۔

عدل سے مراد: بہتر اور مناسب کام کے ہیں اور اس عدل کا تعلق اس کے اور مخلوق کے درمیان یہ ہے کہ: ہر اعتبار سے ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کیا جائے ،خیانت خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ ترک کر دے،اور قولاً وفعلاً ،عزم وارادہ ہر اعتبار سے انصاف پسندی سے کام لے:العدل ما هو صواب وحسن،وهو نقیض الجور والظلم۔۔۔۔۔۔والعدل الذی بینه وبین الخلق یکون ببذل

(۶۲) دیکھئے:التفسیر المنیر للزحیلیؒ ۸/ ۱۲۳

(۶۳) مراح لبید لکشف معنی القرآن المجید ۱/ ۲۴۹

النصيحة وترك الخيانة فيما قل أو كثر، والإنصاف بكل وجه وألا تشى إلى أحد بالقول أو بالفعل، ولا بالهمّ أو العزم.(٦٤)۔

نیز اس کے ماننے والوں کو اپنے نفس کے بعد غیروں کی فکر کا احساس دلاتے ہوئے اپنے حامیین سے یہاں تک فرمایا کہ: کامیاب وہی ہیں جو خود عمل صالح کریں اور دوسروں کو بھی عمل صالح کی تلقین کریں (ملاحظہ ہو: سورۃ والتین)، اور ''سورہ عصر'' میں زندگی کی فلاح کا راز ہی یہی بتلایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو صبر وحق کی تلقین کرتے رہو:

وَالْعَصْرِ (١) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (٢) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (٣)۔

زمانے کی قسم، یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔

معاشرہ کی درستگی اور بھلائی کی تلقین کو قرآن کریم نے ایک ذمہ داری قرار دیا، اور فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:١١٠)۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

اس آیت میں استعمال ہونے والے دونوں الفاظ ''معروف ومنکر'' قابل فکر ہیں، دراصل ''عرف ،یعرف کا مطلب: جاننا، پہچاننا ہے؛ جبکہ معروف پہچانی ہوئی مانوس چیز کو کہتے ہیں، اسی طرح نکر ،ینکر؛ اجنبی وانجانی چیز کیلئے آتا ہے جب کہ؛ منکر نامانوس وغیر معروف کو کہتے ہیں، ایسے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ: آپس میں معاشرہ وملک میں بھلائی کا اس قدر رواج بپا کیا جائے کہ وہ مانوس وانسیت والی چیز ہو جائے، حتی کہ ایک

(٦٤) دیکھئے: تفسیر القشیری: ٢/ ٣١٤

ادنی برائی بھی معاشرہ میں نظر آئے تو وہ نامانوس سمجھی جائے، اور فوراً ہر ایک اس کی گرفت کرنے اور معاشرہ سے بے دخل کرنے پر آمادہ ہوجائے؛ گویا ایک سوسائٹی میں سچ بولنے اور شراب نہ پینے کی اس قدر تلقین ہوجائے کہ: اگر کوئی شراب پیتا اور جھوٹ بولتا پایا جائے تو پورا معاشرہ اس سے اجنبیت محسوس کرے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ اور صحابہ کرام کے زمانے میں ''**امر بالمعروف والنھی عن المنکر**'' کا انقلاب یوں برپا ہوا کہ وہ قوم جس نے پانچ سو سال عمیق گمراہی وضلالت میں گزاری؛ ایک قلیل مدت میں اس کی تصویر ہی بدل گئی، تو دوسری طرف جن قوموں نے اس فریضہ سے لاپرواہی کی اور علو وبرتری کے زعم میں گم رہے؛ ان کا نام ونشان نہ کے برابر رہ گیا، ماضی میں نہ جانے کتنی قومیں تھیں؛ جو آج صرف دفتر ورکارڈ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں، ایسے میں جس دن یہ امت یعنی پوری انسانیت اس فریضہ کا طوق اپنے گلے سے اتار لے گی؛ اس دن ان کی گردنیں بھی جھک جائیں گی، اور اس دنیا کی بساط بھی لپیٹ دی جائے گی۔

قصص قرآنی؛ تعمیر بنی نوع کا داعی

قرآن کریم کا حرف حرف معجزہ ہے، اس کی بلاغت وفصاحت سے لیکر عام تفہیم وقصہ گوئی اور اس کا انداز بیان بہت مؤثر کن ساتھ ہی بامقصد بھی ہے، جو انسانی زندگی میں ہر لحظہ اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے اور وقت وحالات کے سانچے میں ڈھلنے کا گر سکھلاتی ہے، حضرت مولانا رابع صاحب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> قرآن مجید کا اسلوب بیان اپنا الگ انداز حسن وتاثیر اور مقصدیت رکھتا ہے، وہ دراصل انسانی رخ کو سیدھا کرنے اور اسکی اعلی رہنمائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اس میں یہ کیفیت رکھی گئی ہے کہ انسان وہ تاثر لے جو اس کی اصلاح کے مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ موثر ہو، لہذا اثر انگیز طریقہ بیان جو مقصد کلام کے لئے مفید ہو اس میں ملتا ہے اور

اس میں تنوع ہے، جہاں جیسا موقع ہو وہاں ویسا اسلوب بیان ملتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے تحت حکایتی و قصصی اسلوب اپنی خصوصیت رکھتا ہے، یہ انسان کے احساس و شعور میں طبعی انداز کا احساس و تاثر پیدا کر دیتا ہے کہ کہنے والا کہتا جائے اور سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر سنتا جائے (۶۵) ۔

ویسے تو کتاب الٰہی میں بے شمار قصص و واقعات مذکور ہیں، جن کا تنوع محیر العقول اور انداز بیان انسانی مزاج کو مبہوت کرنے والی ہے؛ تمام انبیاء کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ بالخصوص سبھوں کے لئے تسکین و رہنمائی کا باعث، صبر و ضبط، توحید کا ڈنکا بجا دینے، بت کدوں میں ہلچل مچا دینے اور بھلائی و انسانیت اور رضائے الٰہی کی طلب میں عزیز تر کو قربان کر دینے کی سب سے اعلیٰ مثال ہے، (ملاحظہ ہو: انعام: ۷۴ تا ۸۴، انبیاء: ۵۱ تا ۷۰، ابراہیم: ۳۵ تا ۴۱، صافات: ۸۳ تا ۱۱۳، حج: ۲۶ تا ۴۳، عمران: ۶۵ تا ۶۷)، انہیں انبیاء میں حضرت یوسفؑ کا قصہ؛ جن کے نام و قصہ پر پورا کا پورا سورہ شاہد ہے؛ حیران کن تعلیمات و تعمیر کے ذخائر اور اسباق کا پہلو لئے ہوئے ہے، اپنوں کی ستم رسانی کا برداشت کرنا، عزیزوں سے بچپن کی جدائی، پھر اچانک عیش کوشی کے مواقع اور ان میں عفت و پاکدامنی کی چادر کو داغدار نہ ہونے دینا؛ نتیجتاً دار و رسن اور تازیانے کی سوغات کے باوجود آزمائشوں کو وبال جان نہ سمجھتے ہوئے؛ رب کریم کی مرضی و عطیہ اور تقوی کا ذریعہ ماننا، جس کے صلہ میں پھر ان کا خزانچی مصر بن جانا اور بھائیوں کیلئے جنہوں نے ظلم و جور کے پہاڑ توڑے؛ پوری طرح تمکین کے باوجود عفو درگزری کا سینہ کھول دینا۔۔ یہ وہ اسباق ہیں اور زندگی کے کڑوے، کسیلے پھل ہیں جنہیں چکھ کر حقیقتاً انسان؛ انسان اور تعمیر انسانیت کا نمونہ بنتا ہے؛ ملاحظہ کریں: سورۂ یوسف۔

قرآن حکیم میں اولوالعزم نبی حضرت موسیٰؑ کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے، ان کا پورا قصہ تکرار کے ساتھ حسین و دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے آج کا انسان بھرپور مستفید ہو کر اپنے انجام

(۶۵) قرآن مجید انسانی زندگی۔ ص: ۳۳۷

اور توکل کے ساتھ اپنی شخصیت کو مزین کرسکتا ہے، اس سے یہ سیکھا جا سکتا ہے کہ: کس طرح آندھیوں میں شمع جلتے ہیں؟ بے کسی و بے یاروی کے بیچ کیسے شہنشاہیت کے گاؤ تکیہ قدموں تلے آجاتے ہیں؟ بنی اسرائیل کی نادانیاں اور قبطیوں کا فخر اور فرعون کی طغیانی کیوں کر چکنا چور ہوسکتی ہے؟ یہ قصہ درحقیقت دنیا میں اٹھنے والے ہر فریب کار و تخریب کار کے لئے آئینہ ہے اور تعمیر انسانیت میں روڑا اور رکاوٹ بننے والوں کے لئے سبق آموز داستان ہے، بس پڑھتے جایئے اور انسانیت کا درس یاد کرتے جایئے (ملاحظہ ہو: سورۂ قصص: ۱۴ تا ۳۱، سورۃ طہ: ۴۹ تا ۵۴)۔

اس کتاب الٰہی میں اور بھی بہت سے انبیاء و رسل کے واقعات و قصص جستہ جستہ بیان کئے گئے ہیں؛ جیسے حضرت نوح، صالح، یعقوب، ادریس، یونس، یا عیسیٰ علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان سب سے مقصود انسانیت کی بھلائی و خیر اور تزکیہ یعنی تعمیر انسانیت کے ذریعہ اسے اعلیٰ علیین کے ساتھ ساتھ دنیاوی علویت و برتری اور خلافت کیلئے کما حقہ تیار کرنا ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أتم!**

بناء انسانی میں جہاد؛ ایک ناگزیر امر

فی الحقیقت انسانی تخلیق سب سے عمدہ و اشرف اور احسن تقویم ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین: ۴)۔

ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں (ڈھال کر) پیدا کیا ہے۔

مفسرین نے اس کی تفسیر یہ بھی بتلائی ہے کہ:

جعلهم أهل تمييز ومعرفة، وبحيث يكون منهم الخيرات وأنواع الطاعات التي يثابون عليها، وينالون بها الثواب الجزيل، والكرامة العظيمة ما لا يكون لغيرهم.(٦٦)

(٦٦) دیکھئے: تفسیر الماتریدی: ۱۰/ ۵۷۳

اللہ نے انسانوں میں معرفت وتمیز کی صلاحیت بخشی ،جس سے وہ
طاعات وخیرات کے ذریعہ ثواب حاصل کرتا ہے اوران کرامات کو
بھی جو دوسروں کے لئے ممکن نہیں۔

لیکن اسکی فطرت سب سے سادہ لوح اور بے داغ شرست ہونے کے باوجود؛ دنیاوی اثر ،خود فراموشی ونادانی بھی اس کا ایک حصہ ہے،اسی لئے اولین مرحلہ ہی میں کہہ دیا گیا تھا:إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ''یقیناًوہ(انسان) بڑا بے باک بڑا نادان ٹھہرا''(احزاب:۷۲)اور فرمایا:وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ''اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے''(اسراء:۱۱)یعنی اس کی فطرت میں ہے کہ وہ معاملہ میں جلد بازی کرے: فهو فی طبعه التعجل إلى الأمور ، اسی لئے اللہ نے فرمایا:خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ''انسان کو جلد بازی سے مرکب کیا گیا ہے''(انبیاء:۳۷(۶۷)اور ایک خاص صفت یہ بھی: إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ''واقعہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا حددرجہ ناشکرا ہے''(العادیات:۶)، پھراس کا نتیجہ یہ بھی بتلایا:ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ''پھرہم نے اس کونیچوں سے نیچا گرادیا''(التین:۵)۔

جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ:بسااوقات بے دادوناانصافی،فتنہ وشراور بے راہ روی وگمراہی اس کا خاصہ بن جاتی ہے،حرص وہوس کا پجاری،انتہاپسندی وبرتری کا خواہاں ہوکرفرعون کی طرح اعلان کرنے لگتا ہے: فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى ''کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں''(النازعات:۲۴) اور ناہمواریت اورحکومت وسیاست کی جنگ بھڑک اٹھتی ہے،آپسی انتشار کالاوا پھٹتا ہے، جو چہارسواجالا کر دیتا ہے،ظاہر ہے کہ یہ انسانی حیات ومقاصد کے برعکس ہے، چنانچہ ایسے میں فتنوں کا سرکچلنے،انصاف کا علم بلند کرنے ،ظلمت کدوں میں شمع جلانے اورانسانیت کی تعمیرنو کرنے کے لئے جہاد ناگزیر قرار دیا گیا ہے اوراس کے مقصدکوخودقرآن نے یوں واضح فرمایا:وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ''اوران سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے''(بقرۃ:۱۹۳،انفال:۳۹)۔

---

(۶۷) دیکھئے:زہرۃ التفاسیر:۸/ ۴۳۴۴

واقعہ یہ ہے کہ صفحۂ ہستی کبھی بھی جنگ وجدل اور شرور وفتن سے خالی نہیں رہی اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ: ہمیشہ نمرود کے لئے ابراہیم اور فرعون کے لئے موسیٰ پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے سرزمین الٰہی کو ایسے رہنماؤں اور فاشسٹ لوگوں سے پاک کیا، حتی کہ زمانہ جاہلیت میں لوٹ، گھسوٹ، قتل وغارت گری اور ڈاکہ زنی گویا فطرت وعادت تھی؛ ایسے میں قرآن نے بڑے ہی انسانیت سوز اور ناگفتہ بہ حالات میں متعدد حدود وقیود کے ساتھ جنگ وجہاد کرنے کی اجازت دی فرمایا گیا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا، وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ (حج: ۳۹،۴۰)۔

جن (مسلمانوں) سے جنگ کی جارہی ہو ان کو بھی (جنگ) کی اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر بہت ظلم ہو چکا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ناحق گھروں سے نکال دیا گیا کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (بقرۃ: ۱۹۰)۔

اور حد سے تجاوز نہ کرنا، یقینا اللہ تعالی تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بلا شبہ یہ حکم انسانی تعمیر وبلندی ہی کے لئے ہے چنانچہ علامہ وہبہ زحیلیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ولا تعتدوا بالبدء بالقتال، ولا بقتل المسالمين، ولا بقتل غير المقاتلة من النساء والصبيان والعجزة والشيوخ، ولا بتخريب الدور وقطع الأشجار، وإحراق

الزروع والثمار، فإن اللہ یکرہ الاعتداء (۶۸)۔

اس سے مراد یہ ہے کہ قتل وقتال میں (بلاضرورت) پیش قدمی نہ کرنا اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی فصلوں، درختوں کو کاٹنا یا گھروں کو اجاڑنا؛ کیونکہ یہ سب ظلم ہے، جو اللہ کو پسند نہیں۔

ایسا قطعاً نہیں ہے کہ حکومتی رقبہ بڑھانے اور سیاست کے نشہ میں جہاد کیا گیا ہو یا کیا جاتا ہے، حضرت مولانا ابوالاعلی مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

جہاد کے معنی ہیں کسی مقصود کو حاصل کرنے کے لئے انتہائی کوشش صرف کر دینا ہے، یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے، جنگ کے لئے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جد وجہد شامل ہے، مجاہد وہ شخص ہے؛ جو ہر وقت اپنے مقصد کی دھن میں لگا ہو، . . . .اس کے لئے تدبیریں سوچے، زبان وقلم سے اس کی تبلیغ کرے، ہاتھ اور پاؤں سے اسی کیلئے دوڑ دھوپ اور محنت کرے، اپنے تمام امکانی وسائل اسکے فروغ دینے میں صرف کر دے اور اس مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے حتی کہ جب جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی دریغ نہ کرے۔اس کا نام جہاد ہے(۶۹)۔

آج مغربی زمام اقتدار میں کس بے دردی کے ساتھ مسلم ممالک ودیگر ممالک کو نشانہ بنایا جارہا ہے، شب وروز خون کی ندیاں بہائی جارہی ہیں، اور دعوی تعمیر انسانیت کا کیا جارہا ہے مگر ارباب علم ودانش

(۶۸) التفسیر المنیر للزحیلی: ۲/۱۷۹

(۶۹) تفہیم القرآن، تفسیر برسورۂ بقرۃ: ۲۸۸

بخوبی واقف ہیں کہ: قرآن کے مطابق جہاد نے انسانیت کو کیسی معراج دی اور کیوں کر اس نے امن وشانتی کا بول بالا کر دیا، چہار دانگ عالم کو ایک گلدستہ گل اور عطر بیز کر دیا، اور اس کے برعکس یوروپ نے نام نہاد تعمیر اور امن وشانتی کے نام پر دنیا کو تعفن زدہ کر کے ہلاکت کی بھٹی میں جھونک دیا؛ بھلا اس سے کون بے خبر ہے؟

صلاح قلب: تعمیر انسانیت کا ضامن

انسانیت کی حقیقی تعمیر وترقی کا راز اس کے قلب وجگر میں پنہاں ہے، اس کی درستگی، سوز وساز اور شائستگی سے برگ وبہار ہے، یہی جذبات واحساسات کا منبع وماوی ہے، ایک حدیث میں اللہ کے رسولؐ نے اس کی مرکزیت واہمیت کے تئیں یہاں تک فرمایا:

ألا وإن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد کله وإذا فسدت فسد الجسد کله ألا وهی القلب (۷۰)۔

یعنی سن لو! کہ جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، اگر وہ سنور جائے تو پورا کا پورا بدن درست ہوجائے اور اگر وہ بگڑ جائے تو مکمل جسم خراب ہوجائے؛ سن لو! وہ دل ہے۔

ایک جگہ قرآن نے دل کے بارے میں کہا:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق:۳۷)۔

یقیناً اس (قرآن) میں نصیحت ہے جو دل رکھتا ہو یا کان لگا دے اور دماغ حاضر رکھے۔

اگر چہ کہ بعض جدید فکر کے حامی قلب کو وہ مقام نہیں دیتے جو اس کا ہے بلکہ وہ ساری توجہ دماغ کو ہی دیتے ہیں، جو شاید سطحی فکر وتشویش کا نتیجہ ہے؛ کیونکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے اندر ''قلب'' کو اہمیت دی ہے، اور اس کے لئے متعدد الفاظ کا بھی انتخاب فرمایا ہے جو یقیناً ایک معجزانہ بلاغت

(۷۰) بخاری: ۵۲

ہے جیسے ''صدر'' اللہ نے ۹ اور ''صدور'' ۲۰ جگہوں پر اس کا تذکرہ کیا ہے، اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الشرح:۱)، اسی طرح ایک نبی کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (طہ:۲۵) اور خود اپنے تعلق سے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (آل عمران:۱۱۹)۔

تو وہیں سترہ وہ آیتیں بھی ہیں، جہاں قلب کے بجائے ''فواد یا افئدۃ'' کا لفظ آیا ہے ایک جگہ اسکی مسئولیت وعنداللہ جواب دہ ہونے کا حال بیان کیا ہے، جس میں دل کی نگہداشت کی طرف حکیمانہ انداز میں توجہ دی گئی ہے، فرمایا: إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (اسراء:۳۶)، وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (بقرۃ:۲۲۵) اور کان، آنکھ کے تذکرے کے ساتھ دل کو بھی ایک نعمت کے طور پر بتلایا اور شکر گزاری کی تلقین کی: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (نحل:۷۸) اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی دعا نقل کی اور فواد کی حیثیت واضح فرمائی: فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ (ابراہیم:۳۷)، دل کی دوسری کیفیات کو فواد کے لفظ سے اس طرح ظاہر کیا گیا: مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ (ابراہیم:۴۳) اور اللہ نے اپنی طرف نسبت کرکے فرمایا: وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا (انعام:۱۱۰)۔

لیکن سب سے زیادہ لفظ ''قلب'' پر زور دیا گیا؛ تقریباً ۱۲۳ مرتبہ مختلف جگہوں پر استعمال کیا گیا ہے (www.marefah.com)، اور اسکی اصلاح وبہتری کی فکر دلائی گئی اور صاف ستھرے دل کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء۸۹)، اسکی پاکیزگی کے متعلق ارشاد ہے: ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (احزاب:۵۳)، اور اس کی طمانینت کا ذریعہ یوں بتلایا: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (رعد:۲۸)، دل کی سختی، دل کی قساوت اور دل کی ظلمت وگمراہی اور سرکشی کا بڑا سبب بتایا گیا ہے: فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ

مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ(زمر:۲۲)،أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (محمد:۲۲)اور فرمایا: فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ (حدید:۱۶)وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ دل وہ محور ہے، جس پر اعمال کا دارومدار ہے، اسی وجہ سے حضور اکرمؐ نے بھی فرمایا:

إنما الأعمال بالنيات(۷۱)۔

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

نیات یعنی دل کی کیفیت و رجحانات ،اس کے برعکس ''دماغ'' ہے جو صرف واقعات و معلومات جمع کر لینے کا نام ہے؛ جبکہ دل آدمی کے تاثر ،احساس ،عزم و ہمت ،نیت و ارادے سے تعبیر ہے، چناچہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دل و دماغ کا دائرہ عمل کے متعلق لکھتے ہیں:

> قرآن مجید نے دماغ کو اس کے دائرہ عمل کے لحاظ سے الگ ظاہر کیا ہے، اور اس کے لئے ''لب جسکی جمع الباب'' آتی ہے استعمال کیا ہے ،جس کے معنی گودے کے ہیں اور دماغ گودے ہی کی حیثیت رکھتا ہے، دماغ کو بات کے سمجھنے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے ،لیکن ارادے اور جذبات کے تعلق کی بات قلب سے متعلق ظاہر کی ہے ،اور انسان کی نفسیات یہ ہے کہ بات کو سمجھنا اور حقیقت سے واقف ہو جانا اس کے ارادے اور رجحانات کو تابع نہیں بنا پاتا بلکہ اس کی خواہش اور پسند عموما اس پر غالب ہوتی ہے، وہ کسی عمل کے نقصان کو اچھی طرح جان لینے کے بعد اور سمجھ لینے کے بعد بھی ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے ..... کیونکہ عمل پر آمادہ

(۷۱) صحیح بخاری:۱

ہونا قلب سے تعلق رکھتا ہے‘ اسی لئے تعمیر انسانیت کیلئے بھی دل کی اصلاح سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے(۷۲)۔

دعاء قرآنی: انسانیت کا مداوا

حیات انسانی ولادت سے موت تک مختلف مراحل ومراتب کا سامنا کرتی ہے، خوشی وغم، جلوت وخلوت، خودی بے خودی اور دل بیزاری ودل لگی اس کے دوش بدوش چلتی ہیں؛ اسی درمیان اپنے مقصد حقیقی کو پہچاننے اور رب معنوی کا بت توڑتے ہوئے رب لافانی کو کائنات ارضی وسماوی کا مالک و پروردگار اور لائق عبادت سمجھنا ہے، ساتھ ہی اپنی تمام پریشانیوں، دقتوں اور بے چینیوں کا حل اسکے آئین ودستور یعنی کلام مجید میں تلاش کرنا ہے، یہی ہے جو اس پر اس کی زندگی کی حقیقت آشکارا کرتی ہے اور اسے بتلاتی ہے کہ موت وحیات تو صرف تمہیں آزمانے اور بہتر کام کے مواقع کا نام ہے: الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (ملک:۲)، چنانچہ اپنے آپ کو ہرگز بے کار نہ سمجھا جائے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ(انبیاء:۱۶) اور ایک جگہ ہے: بَاطِلًا (ص:۲۷)، ہر گھڑی، ہر آن اسی کے دربار میں اپنا دل ڈال دو، اس سے مانگو کیونکہ وہی سننے والا اور دعاؤں کو سمجھنے والا ہے: إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (یوسف:۳۴) اس کے لئے تمہیں میلوں کی مسافتیں بھی طے نہیں کرنی، وقت ضائع نہیں کرنا؛ کیونکہ وہ تو تمہارے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ(ق:۱۶)۔

چنانچہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے رب کی عظمت واحسان کا اظہار کرتے ہوئے اپنی صلاح وفلاح کی فکر کرے اور چونکہ سارے اختیارات صرف اسی کے ہاتھ میں ہے؛ لہذا اسی سے درخواست بھی کرے، یہی وہ درخواست ہے جو دعا کہلاتی ہے، قرآن مجید نے اس سلسلہ میں بھی اسے تنہا نہیں چھوڑا بلکہ مکمل رہنمائی کی اور جابجا متعدد دعاؤں کے نمونے بتلائے؛ جو حقیقتاً انسانی نفس کے نمائندے اور صحیح ترجمان ہیں، انہیں کے ذریعہ انسان ڈپریشن، زندگی کی over loading اور اپنی جان ناحق ختم کرنے

(۷۲) قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل، ص:۳۲۹

سے بچا سکتا ہے، یہ دعائیں تسلی و تشفی اور احساس کمتری میں مستحکم و مظبوط بناتی ہیں اور رفتہ رفتہ تعمیر انسانیت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہے؛ اسکی پہلی مثال قرآن کریم کی پہلی سورت ''سورہ فاتحہ'' ہے، جس کے اندر جامع انداز میں رب ذوالجلال کی برتری وخوبی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے لئے خیر و بہتری کی درخواست کی گئی ہے (ملاحظہ ہو: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (١) الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (٢) مَالِكِ....الخ)

انسانون کا غلطی کرنا آبائی وراثت ہے، لیکن اس سے پریشان ہوکر اپنے آپ کو ہلاک کر لینا ،خودکشی کر کے موت کو گلے لگا لینا انسانیت سے پرے عمل ہے؛ جسکی مذمت قرآن نے خوب کی ؛ ساتھ ہی یہ بھی سکھلا دیا کہ معافی مانگنا ، اپنی غلطیوں پر ندامت و پشیمانی کا اظہار بھی وراثت آدم ہے؛ چنانچہ ایسی بہت سی دعائیں سکھلائی گئیں جو خطاؤں میں انسانیت کا مدوا ہیں مثلاً: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (بقرۃ:٢٨٦): رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (عمران:١٦): رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (عمران:٨) غیرہ

مشہور ہے کہ جب حضرت آدمؑ نے غلطی کی تو معافی بھی مانگی؛ اللہ کو وہ انداز و الفاظ اتنے محبوب ہوئے کہ پوری بنی نوع کے لئے محفوظ کر دیا اور ایسے ہی معافی مانگنے کا حکم دیا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اعراف:٢٣)، بہ تقضائے بشریت حضرت یونسؑ سے بھی غلطی ہوئی؛ انکی دعا یوں محفوظ کی گئی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (انبیاء:٨٧)، حضرت موسیٰؑ نے ایک قبطی کو غلطی سے قتل کر دیا آپ نے معافی مانگی: قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (١٦) قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ (انبیاء:١٧)۔

حضرت ابراہیمؑ برگزیدہ نبی و انسان اور اطاعت و فرمانبرداری کے پیکر تھے، اللہ نے ان کی جہاں بہت سی صفات کے بارے میں بتلایا وہیں ان کی خاص کیفیت دعا بھی بتلائی؛ جو پوری انسانیت کے لئے ہمدم وہم نوا کے مثل ہے: وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا .....الی...

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم: ۴۱تا۴۳)۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی دعائیں جیسے اولاد نہ ہونے یا شادی کی کشش وپنج اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑتے ہوئے یہ دعا مانگنی چاہئے؛ کیونکہ وہی ہے جس نے زکریاؑ کی یہ گزارش سنی: وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ (انبیاء:۸۹)، اور یہ دعا سکھلائی: رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (عمران:۳۸) اور: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (فرقان:۷۴)، رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (صافات:۱۰۰)، نیز احسان شناسی، جذبہ شکر؛ انسانی مزاج کا وہ جوہر ہے جس کے نکھرنے سے انسان؛ انسان بنتا ہے، قرآن کریم نے بھی اس جوہر کو صیقل کرنے کا سامان کیا ہے اور اسے اپنے محسن ومربی اور رب مجازی (والدین) کا شکر بجا لانے اور انکے لئے تادم حیات دعا گو رہنے کی صلاح دی اور سکھلایا: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (اسراء:۲۴)۔ اسی طرح قرآن کا اولین پیغام انسانوں کے نام لکھنا پڑھنا ہے یعنی خواندگی اس کی زینت ہے، لیکن یہ بھی بتوفیق الٰہی ہی ممکن ہے اسی لئے یہ خصوصی دعا بتلائی گئی: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (۲۵) وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي (۲۶) وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي (۲۷) يَفْقَهُوا قَوْلِي (طہ:۲۸)، بلکہ کہا گیا ہمیشہ یہ کہتے رہو: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طہ:۱۱۴)۔

درحقیقت قرآن کریم کلام الٰہی ہے، جس کا حرف، حرف باعث برکت ودعا اور تعمیر انسانیت کا ضامن ہے؛ جس کی ابتدا وانتہا انسان کو انسان بنانے اور بندوں میں عبدیت وجذبہ نیازمندی پیدا کرنا ہے اور شیطانیت کی سی برتری، فخر وگھمنڈ کے پہاڑ کا ریزہ ریزہ کردینا ہے، ایک دوسرے میں اپنی خودی ونام نہاد حیثیت گم کر کے انسانیت کی جوت جگانا ہے؛ اسی لئے بار بار سکھلایا گیا کہ انسانوں کو چاہئے کہ: ربی، ربنا، اللھم یہ کہہ کر اپنی فطرت علو پر ضرب لگائیں اور: ظلمنا، اخطانا، اعتدنا کی رٹ لگا کر اپنے رب سے فاغفر لنا، وارحمنا، انصرنا کی ضد کریں، اور ہر ایک نئے سورج کے ساتھ تمناؤں، امیدوں اور امنگوں کی ایک نئی صبح کریں۔ ❁❁❁

مراجع ومصادر

کتب تفاسیر

۱	القرآن	
۲	تفسیر قرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی
۳	تفسیر ابن کثیر	ابی الفداء اسماعیل بن کثیر
۴	تفسیر ابن جریر	محمد بن جریر بن یزید
۵	تفسیر ماتریدی	ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی
۶	تفسیر بغوی	ابومحمد حسین بن مسعود بغوی
۷	فتح البیان فی مقاصد القرآن	ابولطیب محمد صدیق خان حسن بن علی لطف اللہ بخاری
۸	زھرۃ التفاسیر	ابوزھرۃ محمد بن احمد
۹	تفسیر قشیری	عبدالکریم بن ھوازن قشیری
۱۰	تفسیر منیر	وھبہ بن مصطفی زحیلی
۱۱	تفسیر شعراوی	محمد متولی شعراوی
۱۲	تفسیر ابی سعود	ابولسعود العمادی محمد بن محمد مصطفی
۱۳	البحر المحیط فی التفسیر	محمد بن یوسف بن علی
۱۴	زاد المسیر فی علم التفسیر	جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن جوزی
۱۵	تفسیر ابن عطیہ	ابومحمد عبدالحق بن غالب تمام ابن عطیہ اندلسی
۱۶	تیسیر التفسیر	ابراہیم بن یاسین قطان

۱۷	صفوۃ التفاسیر	محمد علی صابونی
۱۸	التحریر والتنویر	شیخ محمد بن عاشور
۱۹	الفواتح الالہیۃ والمفاتیح الغیبیۃ	نعمت اللہ محمود تجوانی
۲۰	مدارک التنزیل وحقائق التاویل	علامہ نسفی
۲۱	تفسیر سمرقندی	ابواللیث سمرقندی
۲۲	فی ظلال القرآن	سید قطب شہید
۲۳	تفسیر الوسیط	شیخ علی طنطاوی
۲۴	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع صاحب
۲۵	تفہیم القرآن	سید ابوالاعلی مودودی
۲۶	تفسیر ماجدی	مولانا عبدالماجد دریابادی

کتب علوم القرآن

۱	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی
۲	البرھان فی علوم القرآن	بدرالدین زرکشی
۳	مناھل العرفان فی علوم القرآن	محمد بن عبدالعظیم زرقانی
۴	کتاب البرھان	شیذلہ ابولمعالی عزیزی بن عبدالملک بن منصور
۵	اسماء القرآن فی القرآن	محمد محروس المدرس الاعظمی
۶	اللباب فی علوم القرآن	ابن عادل حنبلی

کتب احادیث وشروحات

۱	صحیح بخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری

۲	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج مسلم قشیری
۳	مستدرک حاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری
۴	مصنف ابی یعلی	ابویعلی محمد بن علی تمیمی
۵	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی حجر عسقلانی
۶	فیض الباری	شیخ محی الدین عربی
۷	شرح مسلم للنووی	ابوزکریا یحی بن شرف حزامی النووی
۸	جامع العلوم والحکم	زین الدین بن احمد بن ابن رجب
۹	فیض القدیر شرح جامع الصغیر	محمد عبدالروف بن تاج العارفین مناوی

کتب فقہ

۱	الفتاوی الکبری	احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ
۲	مجموع الفتاوی	احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ
۳	مجموع الفتاوی لابن باز	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

کتب اسرار و سیر اور متفرقات

۱	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد غزالی
۲	مدارج السالکین	ابن قیم الجوزیہ
۳	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۴	مذکرات التوحید	شیخ محمود ابو دقیقہ
۵	زاد المعاد	ابن قیم الجوزیہ
۶	تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری

۷	ایران بعہد ساسان	آرتھر کرسٹن (ترجمہ: محمد اقبال)
۸	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
۹	ارکان اربعہ	سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
۱۰	قرآنی افادات	سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
۱۱	قرآن مجید: انسانی زندگی کا رہبر کامل	سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم
۱۲	میں نے بائبل سے پوچھا قرآن کیوں جلے؟	میر حمزہ
۱۳	قرآن مجید اور بائبل	''پیش لفظ'' مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتھم

مؤلف ایک نظر میں

نام: محمد صابر حسین ندوی

ولدیت: جناب فخرالدین صاحب

پیدائش: ۱؍دسمبر ۱۹۸۹ء

پتہ: مکان نمبر: ۱۲۷، بیجاسین نگر، کوترا سلطان آباد

ہزورسی ٹی ٹی نگر، بھوپال (ایم پی) ۴۶۲۰۰۳

تعلیم

عالمیت: دارالعلوم تاج المساجد، بھوپال ۲۰۱۱ء

فضیلت فی الفقہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۰۱۳ء

تخصص فی الافتاء والقضاء: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد ۲۰۱۴ء

ڈپلوما برائے اسلامی معاشیات: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد ۲۰۱۴ء

ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن: مولانا آزاد نیشنل اردو نیورسٹی، حیدرآباد ۲۰۱۷ء

بی اے: مولانا آزاد نیشنل اردو نیورسٹی، حیدرآباد ۲۰۱۸ء

مشغولیات

تدریس: جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور (کرناٹک)

تالیفات

۱- الجمعۃ: أحکامہا ومسائلہا (عربی)

۲- رشوت: احکام ومسائل

۳- فضائی وصوتی آلودگی: احکام ومسائل

۴- سرکاری اسکیموں سے استفادہ: احکام ومسائل

۵- احکام شرعیہ پر جہل کا اثر

۶- انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط مسائل

۷- بچوں کے احکام ومسائل